باہوں کے گھیرے میں

ہما جہانگیر

میں اس حصار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں
تمہارے پیار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں
یہ بے قراری مری روح کا اُجالا ہے
میں اس قرار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں

اور وہ......

وہ اک برف کے تودے کی مانند منجمد کھڑا تھا۔ اک چٹان کی مانند ضبط کے آخری پیمانے پر تھا۔ تمام رگوں کا لہو منجمد ہو رہا تھا۔ الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کی طرح سماعت کی قوت کو تباہ کرتے جا رہے تھے۔ یہ لفظ اس کے لیے کس قدر ذہنی آزار کا باعث بنے تھے۔ صرف اس کا ذہن ہی محسوس کر پایا تھا۔ اک بجلی تھی جو لمحہ بھر کو کوند کر اس کے حواسوں پر گری تھی اور اس کے وجود کو راکھ کر گئی تھی۔

اور وہ...... وہ اپنا دفاع کرنے سے بھی قاصر تھا۔

قیامت تھی جوان کے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی اور پھر بھی اک گھور سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔

حقیقت ان لاشوں کی شکل میں اپنی تمام سفاکی کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی' لیکن اس کو ذہن اس کا قبول کرنے سے قاصر تھا۔

وہ شخص اب بھی کہہ رہا تھا۔

''ہمیں افسوس ہے کہ آپ کے بہن بہنوئی موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے تھے۔ حادثہ بے حد شدید تھا۔ کوئی کچھ نہیں کر پایا شاید اسی میں اللہ کی رضا تھی۔''

اور وہ سوچ رہا تھا۔

''کتنا ظالم ہے یہ شخص!''

''کیوں ہمیں یہ تمام الفاظ سنا رہا ہے۔'' یہ الفاظ نہیں نشتر تھے۔ جو حیدر شاہ کی روح تک کو گھائل کر گئے تھے۔ کہنے والا اندازہ ہی نہ لگا سکتا تھا یا شاید اس کو بھی حیدر شاہ کی پتھرائی ہوئی آنکھیں دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا۔

''آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہوگی۔'' حیدر شاہ نے نفی میں سر ہلا کر اس حقیقت کو جھٹلانا چاہا۔ ''میری عاشی کی ہی والی ہوگی۔ آپ جانے کیا اول فول بک رہے ہیں۔ چلے جائیں یہاں سے۔''

دماغ ماننے سے انکاری تھا۔

دل یقین کرنے سے باغی۔

بے چارہ خبر رساں اس کی ذہنی حالت دیکھ کر گھبرا گیا۔

''جناب حوصلہ کریں۔ ہمیں بڑا افسوس ہے۔ یہ حادثہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہوا تھا۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''چلے جاؤ' میں کچھ ماننے کو تیار نہیں۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ غلط فہمی ہے۔'' حیدر شاہ غم سے چلا اٹھا۔

''مگر صاحب حادثے میں اک نوزائیدہ بچی معجزاتی طور پر جو محفوظ ہے۔ وہ ایک معمر خاتون کے پاس ہے۔'' وہ آنے والا شخص اب حادثے کی تفصیل بیان کر رہا تھا لیکن حیدر شاہ ہر بات سے بالاتر ہو چکا تھا۔

''شاہ! میرے بچے ہم برباد ہو گئے۔ ہماری عاشی اور حارث ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ میں تو...

گیا۔" بابا کی کراہتی ہوئی آواز نے حیدر شاہ کا تمام وجود ہلا کر رکھ دیا۔
"یہ سب دیکھنے سے پہلے میرا کلیجہ کیوں نہ شق ہو گیا۔ موت نے مجھ بوڑھے وجود کو کیوں اپنا نشانہ بنایا۔ جانے مولا نے اس بوڑھے کے لیے ابھی اور کتنے غم سنبھال رکھے ہیں۔" بابا کی آواز اسے پاتال کی گہرائیوں سے کھینچ رہی تھی۔ دل تھا کہ ڈوبتا جاتا تھا مگر جانے کون سا حوصلہ تھا جو وہ اب تک کھڑا تھا۔ ایک پتھر کے تراشے ہوئے مجسمے کی طرح۔
اک جامد چپ اب اس کے ہونٹوں پر مہر ہو چکی تھی۔ دل کی گریہ زاری نظر انداز کر کے اس نے پورچ میں پڑی میتوں پر اک خالی خالی سی نظر ڈالی۔ گڑیا سی چھوٹی بہن اور بھائیوں سے پیارا بہنوئی آنکھوں کے سامنے ابدی نیند پڑے سو رہے تھے۔ ایک لمحے کو حیدر شاہ کو چکر سا آ گیا۔ اضطراب سے اس نے لبوں کو کچل ڈالا اور قدم ان کی جانب بڑھا دیے۔
بابا پچھاڑیں کھا رہے تھے۔ اتنی جوان اموات پر ہر آنکھ اشک بار تھی اگر خشک تھیں تو حیدر شاہ کی آنکھیں جن کا ہر ہر آنسو اس نے دل میں اتار لیا تھا۔ البتہ جوان بہن اور بہنوئی کی میت کو کندھا دیتے ہوئے وہ بری طرح لڑکھڑا کر گرنے لگا تھا کہ کسی نے اسے سنبھالا دیا اور پھر یہ قافلہ اپنی اصل منزل کی جانب چل پڑا۔
"شاہ بیٹے! آج تو سوئم بھی ہو گیا ہے۔ ذرا حوصلہ کرنے کی کوشش کرو بیٹا مجھے معلوم ہے کہنا آسان اور کرنا نہایت کٹھن ہے لیکن بیٹا وقت بہت بڑا مرہم ہے۔ صبر تو آہستہ آہستہ ہی آئے گا نا۔ خدا بڑا بے نیاز ہے۔ غم دیتا ہے تو اسے برداشت کرنے کا حوصلہ بھی دے دیتا ہے۔ بس اس کی محبت کی جوت دل میں روشن ہونی چاہیے۔ اس پر یقین کامل تم کو ہر مشکل وقت سے گزار دے گا۔" آنٹی بٹ ہولے ہولے اسے سمجھا رہی تھیں۔ مگر حیدر شاہ

بے بی بہن دینے سے اللہ تعالیٰ نے اس کی ماما کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ اب اس کو اس گڑیا سے ہی دل لگانا تھا اور پھر عاشی بابا اور وحید شاہ دونوں کی زندگی کا محور بن گئی تھی۔ کتنے دھوم دھام سے پچھلے سال اس کی شادی کی تھی۔ ابھی ۱۸ برس کی ہی تو ہوئی تھی وہ مگر حارث جیسے دوست کو جو اسے بھائیوں سے زیادہ عزیز تھا۔ وہ "ناں" نہ کر سکا۔ کتنا خوب صورت تھا یہ گزرا ہوا برس۔ اس نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔
"آنٹی کیا یہ عمر تھی ان کے جانے کی۔ کون کرے گا ان کی کمی کو پورا۔ کس طرح اپنے دل کو سمجھاؤں میں؟" فرط ضبط سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ مٹھیاں بھینچ کر اس نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ اس کی رگیں تن گئی تھیں۔ زندگی کا ہر گزرا ہوا پل جو اس نے عاشی کے سنگ بتایا تھا۔ اک فلم کی مانند اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔
بابا تو بستر سے جا لگے تھے۔ جوان اولاد کی موت نے انہیں ادھ موا کر دیا تھا۔ شاہ نے بے بسی سے سر میز پر ٹکا دیا۔
"یہ کرے گی عاشی کی کمی کو پورا۔ اب تم کو اس کی صورت میں عاشی کو تلاش کرنا ہوگا۔ اس معصوم کا بھی سوچو جو ایک ہی لمحے میں ماں اور باپ دونوں کے سائے سے محروم ہو گئی ہے۔" آنٹی نے کیری کاٹ میں لپٹی گول مٹول سی گڑیا اس کے سامنے کر دی۔ عاشی کی نوزائیدہ بچی۔
دو ماہ کی چھوٹی سی گڑیا جیسی بے بی ہو بہو عاشی تھی۔ شاہ دم بخود سا اسے تکتا چلا گیا۔ وہ اپنی آنکھوں سے ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہی تھی۔ حیدر شاہ ہولے سے اس کے روئی سے نرم گالوں کو چھوا۔ ... کلکاری مار کر ہنس دی۔ شاہ نے بے تابی سے اسے کاٹ سے نکال کر اپنے سینے سے بھینچ لیا اور ...

سامنے کسی چھوٹے سے بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ آنٹی بٹ نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بے بی اس کے حوالے کر کے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اٹھ گئیں۔
اور وہ چھوٹی سی بے بی گڑیا شاہ کے لیے اس کی عاشی بن گئی۔

☆☆

"بابا...... بابا۔" وہ زور سے چلایا۔
"کیا ہوا شاہ کیوں چیخ رہے ہو۔" بابا اپنے کمرے سے بھاگ کر آئے۔
"یہ آپا کی بچی کہاں مر گئی ہے۔ عاشی نے شاید ڈیپر گندا کیا ہوا ہے۔" شاہ بچی کو جگ کی مانند فراک سے پکڑے کمرے میں پھر رہا تھا۔
"پتا نہیں یار ابھی تو یہاں تھی۔ شاید کسی کام سے باہر گئی ہو۔ اس کو تو نیچے لٹا دو۔ بچی انسان ہے کوئی کھلونا یا پانی کا جگ نہیں۔" بابا نے اس سے بے بی لے لی۔
"شادو...... او شادو......" شاہ نے دھاڑ کر اسے آواز دی۔
"جی چھوٹے صاحب۔" شادو باہر سے دوڑتی ہوئی آئی۔
"کہاں تھیں تم۔ کب سے آوازیں دے رہا ہوں۔ یہ کیلی پڑی ہوئی تھی۔ کتنی گندی ہو رہی ہے۔ نہلایا نہیں گیا اسے اور اس کا ڈیپر بھی گندا ہے۔" بے بی کے پاس سے بو آ رہی تھی۔
"ہر وقت تو جی کرتی ہوں اور کون کرتا ہے گھر اور کام بھی تو ہیں۔ اس کا فیڈر بنا رہی تھی۔" شادو منہ بنا کر بڑبڑاتے بولی۔ دونوں باپ بیٹے کی مجبوری جانتی تھی۔ پچھلے تین ماہ میں وہ تیسری آیا تھی جو بدلی گئی تھی۔
بابا میں اب اتنی ہمت نہ تھی کہ اتنی چھوٹی سی بچی کو سنبھال سکتے۔ ویسے بھی عاشی کی موت نے ان کو بالکل ... کر رکھا تھا۔ اکیلا شاہ ... تھا جو گھر بچہ سنبھال پا رہا تھا۔

ماہ پری الگ اس سے ناراض تھی۔ ہائی سوسائٹی کی سب سے مقبول لڑکی تھی وہ آخر۔ یہ تو حیدر شاہ کی اتنی بے بہا دولت اور وجاہت تھی جو ماہ پری اس کی منگیتر تھی ورنہ ابھی اس کا شادی وادی کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ یہ منگنی بھی اس نے شاہ کے پرزور اصرار پر کی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ کوئی اور لڑکا نہ اسے پھانس لے۔
ماہ پری اپنے نام کی طرح خوب صورت تھی۔ ہنر سے کیے گئے میک اپ اور بھڑکیلے لباس و انداز اس کو چار چاند لگائے ہوئے تھے۔ ایسے ہی تو حیدر شاہ اس پر دل نہ ہارا تھا مگر جب سے یہ منحوس واقعہ ہوا تھا حیدر شاہ اس کو بھی وقت نہ دے پایا تھا۔
پچھلے چند دنوں سے ماہ پری اس سے کافی خفا تھی اور اسے بالکل لفٹ نہیں دے رہی تھی۔ اس کے فون کی بھی پرواہ نہیں کر رہی تھی۔ ماہ پری کی ناراضگی شاہ کیسے برداشت کرتا۔ اپنی کوتاہی سے وہ خوب واقف تھا مگر چھوٹی عاشی کو نظر انداز کرنا اس کے لیے بے انتہا مشکل تھا۔ عاشی کے لیے تو اس کی جان بھی حاضر تھی۔
آج ہیرے کا ایک خوب صورت نیکلس دے کر اس نے ماہ پری کو بڑی مشکل سے منایا تھا لیکن اس مسئلے کا کوئی مستقل حل بھی تو چاہیے تھا۔ ایسے کب تک چل سکتا تھا۔
آج کی تمام جھنجلاہٹ اس نے شادو پر نکال دی۔
"جاؤ عاشی کو پہلے صاف ستھرا کر کے لاؤ۔ آئندہ میں نے اسے یوں دیکھا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" شاہ نے شادو کو جھاڑ پلا کر بھیج دیا خود پریشانی سے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔
"شاہ!" بابا کی آواز پر اس نے چونک کر ان کو دیکھا۔
"تمہاری منگنی کو اب سال ہو چلا ہے۔ آخر تم شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ بہو آئے گی تو تمام مشکلات حل ہو جائیں گی۔ گھر کی مالکن ہوئی تو اسٹاف بھی سدھر جائے گا۔ میرا اور عاشی کا دل بھی بہل جائے گا۔"
بابا کر مشورے ... نے اس کی سوچوں کے دھارے

بے بی گڑیا شاہ کے لیے اس کی عاشی
نے شاہ کے پرزور اصرار پر کی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ کوئی اور
لڑکا نہ اسے پھانس لے۔

☆☆

ماہ پری تو جیسے پھٹ پڑی۔

"وہاٹ! یہ کیا نان سنس شاہ...... نو...... نو...... نو مجھ سے پوچھے بنا تم نے اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر لیا۔ میں ابھی بالکل شادی کے موڈ میں نہیں ہوں۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"میں ابھی صرف اکیس سال کی ہوں۔" وہ آرام سے تین چار سال کھا گئی۔ وہ لگتی بھی چھوٹی تھی۔

"مگر میں تو اٹھتیس کا ہوں نا۔ ہر چیز تو ہے میرے پاس بس ایک تمہاری کمی ہے۔ میں اب تم بن رہنا نہیں چاہتا۔ ویسے بھی تم آجاؤ گی تو ہمارے گھر کا نظام سدھر جائے گا۔ عاشی کو بھی ماں کی ضرورت ہے۔ وہ آیا اور نوکرانیوں کے پاس نظر انداز ہوتی ہے۔ تم زندگی میں آجاؤ گی تو ہم دونوں کی زندگی حسین ہو جائے گی۔" اس نے لاڈ سے کہا۔

"تم نے مجھے نوکرانی سمجھا ہے کیا؟ یوں کہو نا کہ تم کو میری نہیں اپنی بھانجی کے لیے آیا چاہیے وہ بھی بغیر تنخواہ کے۔" وہ نخوت سے بولی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو پری۔ عاشی میرے وجود کا حصہ ہے۔ اب آیا تو ہے اس کے لیئے اسے ماں کی ضرورت ہے۔" شاہ اسے رسان سے سمجھانے لگا۔ ماہ پری نے اسے ہاتھ اٹھا کر مزید بولنے سے روک دیا۔

"تم نے اتنا مسئلہ آخر کیوں بنایا ہوا ہے اس بچی کو۔ اس کو اڈاپٹ کیوں نہیں کروا دیتے۔ کوئی بھی بن اولاد کا لے لے گا اسے گود۔ میرے سر کیوں تھوپ رہے ہو اسے۔" وہ حقارت سے بولی۔ شاہ کو بری طرح شاک لگا۔ اس کی عاشی کے بارے میں کوئی اس طرح بات کرنے چاہے کہنے والی اس کی محبوبہ ہی کیوں نہ ہو شاہ کو ہرگز گوارا نہ تھا۔

"تم سے یہ امید نہ تھی پری۔ تم نے تو تمام بات کو جانے کیا رنگ دے دیا ہے۔" وہ اب بھی ضبط کر کے بول رہا تھا۔ آخر وہ ینگ لڑکی تھی لیکن کتنا حوصلہ چاہیے تھا اس بات کے لیے صرف وہی جانتا تھا۔ مگر ماہ پری تو شاید کچھ سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"تمہارا کیا خیال تھا حیدر شاہ صاحب کہ آپ کی اس منحوس بھانجی کو میں اپنے سر پر مسلط کرنے پر راضی ہو جاؤں گی تاکہ اس کا منحوس سایہ میری بھی زندگی تباہ کر دے۔ ماں باپ کو تو کھا گئی۔ اب کیا میری باری ہے۔" اس کے طنز سے بھرے نشتر شاہ کو تڑپا گئے۔ عاشی کے لیے اتنی گھٹیا سوچ اس کی برداشت سے باہر تھی۔ اس کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔

"شٹ اپ' جسٹ شٹ اپ' کتنی گھٹیا سوچ ہے تمہاری۔ مجھے اپنے آپ پر شرم آرہی ہے جس نے اتنی گری ہوئی جاہل سوچ والی عورت کو پسند کیا۔ تم کو تو عورت کہنا بھی گناہ ہے۔ عورت تو محبت کا چشمہ ہوتی ہے۔ اک پیار بھری ٹھنڈی آغوش ہوتی ہے۔ اک درد کا بیکراں سمندر رکھتی ہے اپنے سینے میں۔ تم...... تم تو عورت کہلانے کے بھی قابل نہیں' ماں کیا کہلاؤ گی۔ تم تو ایک کھوکھلی گڑیا ہو جو صرف سجاوٹ کے کام آتی ہے۔ میں لعنت بھیجتا ہوں تم پر اور تمہارے پیار پر۔" شاہ غصے سے پاگل ہو گیا تھا۔ وہ کرسی کو ٹھوکر مارتا وہاں سے اٹھ گیا۔

"ہاں ہاں تو ڈھونڈ کر دکھیو لو نا ایسی کوئی آغوش۔ میں اتنی بے وقوف ہرگز نہیں۔ میں بھی تو دیکھوں کون اپنے منڈھے گا یہ نحوست۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ تم نہیں تو کوئی نہیں۔ مجھ پر تو ہزاروں مرتے ہیں۔ تم کیا لے کر آؤ گے ہم بھی دیکھیں گے۔" اپنے حسن کے زعم میں چور ماہ پری نے اسے بری طرح دھتکار دیا۔ حیدر شاہ سے تو وہ ... کچھ تھیا چکی تھی۔ آج کل ملک کے مشہور ایم این اے کا بیٹا اس کے چکروں میں تھا۔ شاہ تو اسے ویسے ہی ... میں پڑا طوق محسوس ہو رہا تھا۔ سو یوں جان چھٹی دیکھ کر وہ خوش ہو گئی تھی۔ شاہ اسے حقارت سے دیکھتا کمرے سے نکل گیا۔ ماہ پری کے طنزیہ جملے اب بھی اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

ایسی لڑکی بھی ڈھونڈ کر دکھا دوں گا۔ اس نے ...

حقائق جب
پاکستان
ادارتی
اپریل ۱۹۹۵ء
نئے اُفق گروپ آف
مکتبہ الق

عاشی کے لیے وہ سب کچھ کرسکتا تھا۔ وہ اس کی زندگی کا محور تھی۔ اس سے ہٹ کر وہ فنا ہوسکتا تھا جی نہیں سکتا تھا۔ عاشی اس کا جنون بن گئی تھی۔

☆☆

"چاچی! مگر شادی......" عروبہ نے حیرت سے چاچی کو دیکھا۔

"اے تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے میں نے کچھ غلط کام کرنے کو کہہ دیا ہو۔" چاچی نے اسے گھورا۔

"نن......نہ...... نہیں چاچی میرا مطلب یہ نہ تھا۔" وہ گھگھیا گئی۔

"میرا مطلب ہے شادی کی کیا ضرورت ہے؟" وہ ہولے سے منمنائی۔ اتنی ہمت تو ہرگز نہ تھی کہ چاچی کے حکم سے انکار کرتی۔

"پہلے تو مجھے بھی ذرا اختلاف تھا۔" چاچی شروع ہوئی تو عروبہ کو کچھ حوصلہ ہوا مگر پھر اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا جب چاچی نے جملہ مکمل کیا۔

"وہ لوگ تو رخصتی بھی مانگ رہے ہیں اور میں یہ موقع گنوانا نہیں چاہتی۔" چاچی جیسے خود کلامی سی کررہی تھی۔

"رخصتی بھی ابھی......" عروبہ کانپ گئی۔

"لو بھلا اس کے نخرے دیکھو۔ تجھے اور کیا چاہیے ہے نگوڑی اتنے امیر کبیر لڑکے کا رشتہ آیا ہے۔ تو کیا جانے کتنے پاپڑ بیل کر میں نے مسرت کو قابو میں کیا ہے۔ ورنہ تجھ جیسی لاوارث یتیم لڑکی سے کون رشتہ جوڑتا ہے۔" چاچی نے بے دردی سے کہا اور برا سا منہ بنا کر سبزی کی ٹرے اس کے آگے رکھ دی تاکہ وہ سبزی بنادے۔

"چاچی! میں شادی نہیں کروں گی۔" عروبہ نے ڈرتے ڈرتے کہہ ہی دیا۔

چاچی کے تلووں سے لگی سر پر جا کر بجھی۔

"کیا؟ بڑی زبان لگ گئی ہے تجھے۔ ابھی کھینچتی ہوں ناگدی سے۔" چاچی غضب ناک ہوگئی۔ "باتیں تو ایسے کررہی ہے جیسے پہلے بھی شادی ہوئی نہ ہو تو اجاڑ دی کی۔ کمبخت خدا نے اتنا حسن نہ دیا ہوتا تو میں دیکھتی۔ گلی گلی ذلیل ہورہی ہوتی اور کوئی پوچھتا بھی نہیں۔" چاچی نے اس کے بال چوٹی سے پکڑ کر کھینچ لیے۔

"اف......" وہ سسکی بھر کر رہ گئی۔ کٹوراسی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئیں مگر وہ آواز نہ نکال پائی۔ ورنہ چاچی اسے دھنک کر رکھ دیتی۔

"دوں کس کر ایک ہاتھ منہ پر۔" چاچی ہنوز چلا رہی تھی۔

"چاچی وہ تو صرف نکاح تھا۔ رخصتی تو آپ نے ہونے ہی نہ دی تھی۔" جانے شادی کا خوف تھا یا دوبارہ اس عذاب میں پھنسنے کا ڈر جو چاچی کی مار کا خوف بھی اسے چپ نہ رکھ سکا۔

"ہاں تو کیسے کردیتی رخصتی۔ کمبخت ٹٹ پونجیے اتنے امیر ہی کب تھے کہ تیرے حسن کی قیمت ادا کرسکتے۔ ایسے کنگلوں کو تو میں لڑکی نہیں دے سکتی تھی نا مفت میں۔ ارے یہ تو بے انتہا امیر لوگ ہیں۔ میں نے پوری جانچ پڑتال کرلی ہے۔ خوب قیمت وصول کروں گی تیری۔"

چاچی کی غلاظت بھری بات نے عروبہ کو پانی پانی کردیا۔ اپنا آپ اسے گندی نالی کے کیڑے سے بھی کمتر محسوس ہورہا تھا۔ آخر کیا تھی اس کی حیثیت۔ جب چاہا پیسے لے کر نکاح کردیا۔ جب چاہا رخصت کردیا۔ جب چاہا طلاق دلوادی۔ ایسے تو کوئی بازاری عورت بھی اپنی اولاد کے ساتھ نہیں کرتی۔

"مگر میں کب ہوں ان کی اولاد" اس شکل کے پیچھے یتیم لڑکی کو کمائی کا ذریعہ بنا رکھا تھا چاچی نے۔ وہ حسن کی دولت سے مالا مال تھی۔ اک دفعہ پڑنے والی نظر واپس لوٹنا ہی بھول جائے۔ ایسا تھا اس کا مکمل حسن۔

"کاش میں اتنی بدصورت ہوتی کہ کوئی دوسری نگاہ نہ ڈالتا مجھ پر۔ یوں عزت تو نیلام نہ ہوتی۔ اتنی ذلت بھری زندگی سے تو موت بہتر تھی۔ کاش میں پیدا ہوتے ہی مر گئی ہوتی۔ کاش خودکشی حرام نہ ہوتی۔"

چاچی بکتی جھکتی جاچکی تھی۔ وہ گھٹنوں میں سر دیے سوچے جارہی تھی۔

عامر سے نکاح پر وہ کتنی خوش تھی۔ آئے دن شیدے کے دوستوں کے سامنے پریڈ تو بند ہوگئی تھی۔ چاچی کے پلان سے ناواقف جو تھی۔ حق مہر لاکھ روپیہ دیکھ کر وہ ششدر رہ گئی۔ نکاح کے بعد آئے دن چاچی حیلوں بہانوں سے ان لوگوں سے رقم بٹورتی رہی اور جب ان لوگوں نے تنگ آکر رخصتی پر زور دینا شروع کیا تو چاچی کو آگ لگ گئی۔

اور پھر باقاعدہ پلاننگ کے ساتھ عروبہ کے کردار کو تار تار کرکے عامر تک پہنچایا گیا۔ وہ شریف لوگ تھے ایک دن خاموشی سے اس کے ہاتھ پر طلاق نامہ رکھ کر چلے گئے۔ چاچی کو اس کا لاکھ روپیہ مل گیا۔ عروبہ بری طرح بکھر گئی لیکن منہ سے احتجاج کا ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ مٹی کی مورت کی طرح بس خاموشی سے تماشا دیکھتی رہی۔

اب حیدر شاہ کو پھانس کر چاچی جانے کتنے ہی خوش رنگ سپنوں میں کھوگئی۔ صرف رخصتی پر اس کو شروع شروع میں اختلاف ہوا تھا مگر شیدے نے سمجھایا کہ یوں تو زیادہ موقع ملتا حیدر شاہ سے پیسے بٹورنے کا۔ سو وہ مان گئی تھی لیکن عروبہ کا دل بیٹھا جارہا تھا۔ اس کو اس دفعہ تو تمام پلان کا علم تھا اور اس دفعہ وہ کسی قیمت پر اتنے بھیانک پلان کا حصہ بننے کو تیار نہ تھی۔ اتنا بڑا دھوکا وہ کس طرح کسی کو دے سکتی تھی لیکن چاچی کے آگے بچپن سے ہی اس کی بولتی بند ہوجاتی تھی۔ چاچی تو چلی گئی تھی اسے ایک بھنور میں ڈوبتا چھوڑ کر۔ جانے قسمت میں کیا لکھا تھا۔ وہ لوگ تو ہر معاملے میں سچے اور خلوص والے لگ رہے تھے۔ چاچی صاف بتا گئی تھی کہ یہ شادی ایک نادیدہ بچی کے لیے ہورہی تھی۔ وہ بچی کی جان کتنی محروم ہوگی اس کا اندازہ عروبہ بخوبی لگا سکتی تھی۔ اس کا اپنا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا لیکن شاید وہ بچی خوش قسمت تھی جو گھر میں دولت کی ریل پیل تھی۔ سب کی محبت کی وہ حقدار تھی۔ ایک وہ تھی جو اس کو لوٹنے کے لیے لائی جارہی تھی وہ معصوم جانتی بھی نہ تھی۔ عروبہ ہولے ہولے سسکتی رہی۔ وہ بک رہی تھی اور کوئی خریدار تھا۔ کیسی قسمت لائی تھی کہ عزت دار گھرانے میں پیدا ہوکر بھی رسوا ہورہی تھی۔ چاچی کے ساتھ ساتھ اسے اس شخص پر بھی غصہ آگیا جو پیسے کے بل بوتے پر اس کی محبت خریدنا چاہتا تھا۔

"جانور ہوتے ہیں یہ مرد بھی۔ ہر روپ میں' کبھی شیدے کی شکل میں تو کبھی عامر کی شکل میں اور اب یہ نئی ہستی اس کا مول لگانے آئی تھی۔" وہ اپنی بے بسی پر تڑپ اٹھی۔

"خدایا یوں میری آزمائش نہ کر' میری عزت نفس کو بار بار مجروح ہونے سے بچالے۔ چاچی میرے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو بھی برباد کردے گی یا میرے مولا تو ہی مدد کر۔" وہ صدق دل سے دعا کرتی رہ گئی اور وہ حیدر شاہ کے نام سے جوڑ دی گئی۔ پانچ لاکھ حق مہر کی رقم کے عوض اس کی عزت' اس کی خودداری اور حسن حیدر شاہ کے نام کردیا گیا۔

اتنا حق مہر دیکھ کر وہ لرز گئی۔ ایک لاکھ حق مہر پر چاچی نے ایک ماہ بھی اس کا نکاح نہیں رہنے دیا تھا تو پانچ لاکھ حاصل کرنے کے لیے وہ کتنے دن لگائے گی۔ اس کے کردار کی دھجیاں اڑانے میں حیدر شاہ کے سامنے دیر نہیں لگائے گی۔" وہ سوچ کر ہی کانپ اٹھی۔

سرخ زرتار جھلمل کرتے بھاری جوڑے میں اس پر ٹوٹ کر روپ چڑھا تھا۔ لرزتی لمبی پلکوں تلے جھیل سی گہری ہرنی سی آنکھوں میں کاجل کے ساتھ ساتھ لالی کے ڈورے ان نینوں کے حسن کو اور دوبالا کررہے تھے۔ میدے سی سفید رنگت پر چھلکی چہرے کی لالی کنپٹی کھلے گلاب کی مانند اس کے چہرے کو حسین بنارہی تھی اور اپنے حسن سے بے نیاز وہ گداز لبوں کو دانتوں تلے دبا کر کانپنے سے روکنے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔ موتی کی لڑیوں کی طرح آنسو اس کے گالوں پر لڑھک رہے تھے۔

"دولہا والے آگئے۔" کسی شوخ لڑکی کی آواز پر سب اٹھ کر باہر چل دیے۔ جس سج دھج کے ساتھ بارات آئی تھی چاچی سمیت تمام لوگ حیران رہ گئے تھے۔ حیدر شاہ تمام وجاہت و آن بان کے ساتھ کھڑا تھا۔ چاند سورج کی

جوڑی نہ کہنا ظلم تھا۔

کمرے میں عروبہ کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"اری کیوں نحوست پھیلا رہی ہے۔ تیرے تو نصیب کھل گئے۔" چاچی کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔ "اری کلموڑی ایسا چاند سا دولہا ملا ہے تو تو اپنی قسمت پر رشک کرے گی۔ کروڑوں کا مالک ہے۔ بری تو دیکھ ذرا۔" چاچی کی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ زیور اور کپڑے وغیرہ سے لے کر دنیا کی ہر شے تھی۔ چاچی نے جھٹ زیور پر قبضہ کرلیا۔ عروبہ اب بھی سسک رہی تھی۔ چاچی کی حرکتوں سے اسے کراہیت آرہی تھی۔ شاید اس کے تاثرات اس کے چہرے سے ظاہر ہو گئے تھے جو اچانک چاچی نے سختی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ایک بات یاد رکھنا عروبہ۔ خود بھی عیش کر اور ہمیں بھی کروا۔ اس کے علاوہ دوسرے کسی خیال کو دماغ و دل میں جگہ نہ دینا۔ یاد رکھ یہ سب چند روزہ ہے۔ تو میرے رشید کی ہی دلہن بنے گی۔ یہ تمام پیسہ بٹور کر تجھے واپس اس ہی گھر میں آنا ہے۔ خبردار جو اپنا دماغ خراب کیا بھی۔" چاچی نے اس کا ہاتھ زور سے مروڑ دیا۔ عروبہ کی کراہ نکل گئی۔ چاچی اسے دھمکا کر کمرے سے جا چکی تھی۔ اگرچہ اسے دھمکانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس میں اتنی جرات کہاں تھی جو وہ چاچی کی حکم عدولی کرتی۔

اس نے دھیرے سے اپنے ہاتھ کو ملا جس پر چاچی کی انگلیوں کے نشان ابھر آئے تھے۔ میدے سی رنگت پر یہ سرخ نشان بہت نمایاں ہو رہے تھے۔ اس نے رگڑ کر آنسو پونچھ ڈالے اور اٹھ کر ہاتھ پر پاؤڈر ملنے لگی۔

رخصتی کے موقع پر اس کی آنکھیں خشک تھیں۔

وہ شاید تمام آنسو بہا چکی تھی۔ اب اس کے پاس سوائے خوف و خدشات کے اور کچھ نہ بچا تھا۔

"اے ہاں کون سا پہلی بار شادی ہو رہی ہے۔ موئی روئے گی کیوں۔ طلاقن کے تو نصیب کھل گئے۔" محلے کی عورتیں کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ چاچی کے آگے کھل کر بولنے کی ہمت تو کسی میں بھی نہ تھی۔

عروبہ تیز تیز چلتی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ حیدر شاہ نے حیرت سے نئی نویلی دلہن کو دیکھا پھر شانے اچکا کر بے دلی سے خود بھی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ بہن کی کمی اور ماہ پری کی بے وفائی اس کے دل سے ہر ارمان اور خوشی نکال چکی تھی۔ یہ شادی صرف حالات کے پیش نظر ہوئی تھی۔ عاشی ملازم کے پاس گھر پر تھی۔ بابا ابھی اسے ان کے درمیان لانا نہ چاہتے تھے۔ آج کتنے عرصے بعد شاہ نے ان کے چہرے پر خوشی اور اطمینان کے رنگ دیکھے تھے۔

"چلو کوئی تو آسودہ ہوا میرے اس فعل سے۔" شاہ نے سوچا۔ "اپنے بابا اور عاشی کی خوشی کے لیے تو اس کی جان بھی حاضر تھی۔ اب اس شادی کو کامیاب بنانا شاہ کی ذمے داری تھی۔ اس لیے اس نے پہلے ہی عاشی کے وجود سے ان لوگوں کو متعارف کروا دیا تھا۔

ان کے گھر سے اپنے حجلہ عروسی تک کا سفر اس نے انہی خیالات میں گھر کے پورا کیا۔

کمرے کے باہر قدم آپ ہی آپ رک سے گئے۔

"کس طرح سامنا کروں گا اس لڑکی کا۔ عاشی کے وجود سے تو تعارف کروا دیا لیکن اپنے دل کے حال سے کس طرح باخبر کروں گا۔" وہ پوری دیانت داری سے اس رشتے کی حدود میں داخل ہونا چاہتا تھا۔" اندر قدم رکھنے سے وہ بے حد جھجک رہا تھا۔

"ارے شاہ بھائی' ڈر کیوں رہے ہیں۔ جائیے جائیں دلہن انتظار کر رہی ہوگی۔" نیگ لے کر کھڑی کزنز نے شوخ جملوں کے ساتھ اسے اندر دھکیل دیا۔

دروازے کی آواز پر عروبہ کا دل زور سے دھڑکا۔

وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا اس کے قریب آ کر کھڑا ہوا تھا۔

"آپ آرام سے بیٹھ جائیں۔" بھاری مردانہ آواز۔ وہ کچھ اور بھی اپنے آپ میں سمٹ گئی۔ اتنے بھاری جوڑے اور زیورات سے وہ پہلے ہی دوہری ہوئی تھی۔ اس کی آمد پر اور سمٹ گئی۔ دل دھڑک دھڑک کر جیسے سینے سے نکل کر باہر آ رہا تھا۔ شاید وہ بھی اس کی

دھڑکن سن رہا ہو۔ عروبہ بری طرح گھبرا گئی۔ کمرے میں گمبھیر خاموشی چھا گئی تھی۔

"مجھے کیا کرنا چاہیے جانے اب کیا ہوگا۔ چاچی نے دھمکیاں تو دے دیں لیکن اتنا نہیں بتایا کہ ان سب کا دل اور اعتماد جیتنا ہے یا اس شخص کو تسخیر کرنا ہے۔" اس کا ذہن ماؤف سا ہو رہا تھا۔

حیدر شاہ نے بے بسی سے لڑکی کی جانب دیکھا۔ نظروں کے سامنے ماہ پری کا سراپا گھوم گیا۔ اس نے سر جھٹک کر توجہ لڑکی کی طرف کردی۔ اب اس کی ذات پر صرف اس لڑکی کا حق تھا۔

وہ گھونگھٹ کی اوٹ میں ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔

"جانے کتنے سہانے سپنے کتنے ارمان دل میں لے کر آئی ہوگی۔" مگر وہ اس دل کا کیا کرتا جو بے حد بوجھل ہو رہا تھا۔ اپنا دھیان اس کی طرف کرنے کے لیے اس نے عروبہ کے پاس بیٹھ کر اس کا گھونگھٹ الٹ دیا اور اک اچٹتی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی اور پھر جیسے نگاہ واپس آنا ہی بھول گئی۔

وہ ششدر سا رہ گیا۔

اتنا مکمل حسن۔

وہ بے خود سا اسے تکتا چلا گیا۔ اس کی تعریف میں ایک لفظ بھی منہ سے نکال نہ پایا تھا۔ اتنا جادو تھا اس کے حسن میں کہ وہ کچھ بول ہی نہ پایا تھا۔ خواب ناک ماحول میں مکمل خاموشی تھی۔ سانسوں کے زیر و بم کے علاوہ اور کوئی آواز نہ تھی۔ کسی جملے کی منتظر عروبہ اس خاموشی سے پریشان ہو اٹھی۔

اس نے دھیرے دھیرے پلکوں کی چلمن اٹھا کر کٹورا سے نینوں سے شاہ کو دیکھا اور شاہ کو یوں محسوس ہوا جیسے ان نینوں کی گہرائیوں میں وہ ڈوبتا جا رہا ہو۔ اپنی طرف دیکھتا شخص اپنی ذات میں خود وجاہت کا بھرپور شاہکار تھا۔ اس کی گہری نظروں نے عروبہ کو نگاہیں جھکانے پر مجبور کردیا۔ نظروں کی حدت نے اس کا چہرہ سرخ کر دیا۔ اس نے پلکوں کی باڑ آنکھوں پر گرا لی تھی۔ سر مزید گھٹنے میں گھس گیا تھا۔ نگاہوں کی ڈور ٹوٹی تو شاہ بھی اپنی محویت سے چونک گیا۔ اک طلسم سا ٹوٹ گیا تھا جیسے۔ اس نے سر جھٹک کر اپنا دماغ صاف کرنے کی کوشش کی۔ سب کچھ اس کی سوچ سے ہٹ کر ہو رہا تھا۔ اس نے تو عروبہ کو بنا دیکھے ہی قبول کر لیا تھا۔ خدا نے اس کی نیک نیتی کا کتنا بڑا انعام دیا تھا۔

یہ اس کی بیوی تھی۔

اسے فخر سا محسوس ہوا۔ ماہ پری کے الفاظ سے مجروح ہوئی انا اور مکدر ہوئے ذہن کو عروبہ کے معصوم حسن نے جیسے نئی جلا بخش دی تھی۔ وہ مسرور سا ہوا تھا۔ شاہ نے بے تابی سے اس کے سراپے کا جائزہ لیا۔ وہ ہنوز سر جھکائے گٹھڑی سی بیٹھی تھی۔ شاہ ہولے سے مسکرا دیا۔

"کیا میں اتنا خوفناک ہوں جو آپ لمحہ بھر کو بھی مجھے دیکھ نہ پائیں اور نظریں چرا لیں۔" وہ شرارت سے بولا۔ پہلے کا اجتناب مکمل طور پر غائب تھا۔ رات کی تنہائی' خوب صورت خوابناک ماحول' دلربا حسن اور مضبوط رشتے کا احساس شاہ جیسے مضبوط انسان کو بھی پگھلا گیا تھا۔ وہ شوخ ہو گیا۔

عروبہ نے اس کے شوخ لہجے کو محسوس نہ کیا۔ وہ تو اس کے جملے سے گھبرا سی گئی۔ جلدی سے نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا مبادا وہ غصے میں نہ آ جائے۔ حکم عدولی کرنا تو اس نے سیکھا ہی نہ تھا۔ بچپن سے اب تک رشیدے اور چاچی کی مار اور جھڑکیوں نے اس کی تمام خود اعتمادی ختم کردی تھی۔ اس کی شخصیت مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ گویا بس ایک کاٹھ کی پتلی تھی جو اشاروں پر ناچنا جانتی تھی۔ غصے کی ایک نظر اس کو خوفزدہ کرنے کو کافی تھی۔

آج کی رات تو اس کے لیے بالکل انوکھی تھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ کسی غیر مرد کے ساتھ تنہا تھی۔ اس نے تو کبھی عامر سے بھی بات نہ کی تھی اور آج اس شخص کے ساتھ اور تنہائی اس کو پسینہ آ گیا۔

"یہ غیر کب ہے۔ یہ ہی تو ساری دنیا میں میرا ایک

محرم ہے۔" اس نے دل کو سمجھایا۔

"لیکن اگر اس کو غصہ آ گیا تو؟" دل نے دہائی دی۔

اس نے خوفزدہ نظروں سے شاہ کو دیکھا۔

"ارے میں کوئی بھوت ہوں جو اس طرح دیکھ رہی ہیں۔" اس کی نگاہوں میں خوف کا عنصر دیکھ کر شاہ کو حیرت ہوئی۔ ایسا کیا کہہ دیا تھا اس نے جو وہ اتنی خوفزدہ ہو گئی تھی۔

وہ اب بھی خاموش تھی۔

"عروبہ! یہ ہماری پہلی ملاقات ہے۔ جانتا ہوں کہ ایک دوسرے کو سمجھنے اور جاننے کے لیے کچھ وقت تو درکار ہوگا۔ جن حالات میں ہماری شادی ہوئی ہے وہ آپ کے علم میں ہیں اور آپ کا گھبرانا جائز ہے لیکن میری مجبوری سے آپ واقف ہیں۔ اگرچہ ہماری شادی ارینج ہے مگر بخدا آپ کے معصوم حسن کے آگے میرے دل نے گھٹنے ٹیک دیے ہیں۔" وہ جذبات سے بوجھل آواز میں اسے خراج پیش کر رہا تھا۔

اور وہ...... عروبہ

بے یقینی کے عالم میں ایک ٹک اسے تکتی چلی گئی۔ شاہ نے دھیرے سے اس کا نازک ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لیا۔ جانے کتنے ماہ و سال اس نے ان لمحوں کا انتظار کیا تھا۔ کتنا ارمان تھا کہ کوئی اس کا اپنا ہوگا صرف اس کا۔ جو صرف اسے چاہے گا۔ اسے ہی سراہے گا۔ اسے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لے کر تمام کائنات کا تحفظ دے گا۔ انتظار کا اک طویل سفر طے کر کے آج قسمت خود اسے اس مقام پر لے آئی تھی۔ اس کا دل کب سے ان جملوں کی آہٹ سننے کو بے قرار تھا۔ اس کا انگ انگ گویا سماعت کا آلہ بن گیا تھا۔ شاہ کی گرم سانسیں ہاتھوں پر محسوس کر کے وہ بری طرح گھبرا گئی۔ حیا کی لالی نے اس کے چہرے کو بیر بہوٹی سا بنا دیا۔ اس نے کسمسا کر ہاتھ چھڑانا چاہا۔

"اوں ہوں یہ تو تمام عمر کے لیے تھاما ہے۔ تمام جملہ حقوق محفوظ کے ساتھ اتنی آسانی سے نہ چھوٹے گا۔" اس نے عروبہ کے ہاتھ پر گرفت اور مضبوط کر لی۔ اس کا نازک سا ہاتھ شاہ کے ہاتھوں میں کانپ رہا تھا۔ مہندی سے ہاتھ پر لالی ابھری ہوئی تھی۔

"ارے کیا یہ مجھ سے ہو گیا؟" اس نے گھبرا کر گرفت ہلکی کر دی۔ عروبہ نے جلدی سے چاچی کے ڈالے نشان پر ہاتھ رکھ کر اسے چھپانا چاہا تو ہاتھ شاہ کے ہاتھ پر پڑ گیا۔ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جلدی سے اپنا آزاد ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ شاہ ہنس کر اس کے اور قریب ہو گیا۔

"آپ کو تو ہاتھ بھی سوچ سمجھ کر لگانا پڑے گا۔" بوجھل آواز پر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ دھڑکن دگنی رفتار پر ہو گئی تھی۔

"چھوڑ دیجیے نا!" وہ ذرا سا پرے کھسک گئی۔

کتنی معصوم تھی وہ۔ شاہ کو ٹوٹ کر اس پر پیار آ گیا۔ دل عجیب فرمائش کر رہا تھا۔ ایسا تو اس سے پہلے اس نے کسی کے لیے بھی محسوس نہ کیا تھا۔ ماہ پری کی آزادانہ محبت میں ہاتھ پکڑنا تو معمولی فعل تھا۔ آج عروبہ کے بچپنے نے اسے نئی خوشی سے ہم کنار کیا تھا۔ وہ اپنی خوش قسمتی پر جھوم اٹھا۔ اس کا چھوٹا سا جملہ شاہ کے جذبات کو دو چند کر گیا۔ شاید یہ رشتہ ہی ایسا تھا یا پھر اس فسوں خیز رات کا حسن تھا جو شاہ کی بے قراریاں بڑھ رہی تھیں۔ اس نے خود پر قابو پایا۔ کہیں وہ گھبرا ہی نہ جائے۔

"آپ بولتی بہت خوب صورت ہیں۔ کچھ اور کہیں نا۔" وہ اپنے جذبات کا جواب چاہ رہا تھا۔ وہ اس پر جھک گیا۔

عروبہ مزید سمٹ گئی اگرچہ کہ مزید سمٹنے کی گنجائش نہیں تھی۔ شاہ کا قرب عروبہ کو شرمیلی سی گھبراہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔

"کچھ تو بولو عروبہ۔" جذبات سے بوجھل سرگوشی عروبہ پر میٹھی رس کی پھوار کی طرح برسی۔

"کیا کہوں؟" وہ اس کے اصرار پر ہولے سے بولی۔

شاہ خوش دلی سے مسکرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"واقعی تم ابھی بولو گی بھی نہیں۔ رسمیں پوری جو نہیں ہوئیں۔" اس کے جملے پر عروبہ نہ سمجھنے کے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"منہ دکھائی نہیں چاہیے کیا؟" وہ شوخی سے ہنسا۔ اگرچہ عروبہ نے ایسی کوئی بات نہیں سوچی تھی پھر بھی وہ اس کے مذاق پر مسکرا دی۔ نظریں اب بھی جھکی ہوئی تھیں۔

"اوہ...... کہاں گیا...... ہاں یہ لو۔" اک کاغذ کا ٹکڑا اس نے عروبہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔ انگوٹھی، ہار، سیٹ وغیرہ تو سنے تھے منہ دکھائی میں مگر کاغذ کا ٹکڑا۔

اس نے حیرت سے کاغذ کھولا۔ ایک لاکھ کا چیک اس کے ہاتھ میں تھا۔

ایک لاکھ۔

وہ سن سی رہ گئی۔

"ہمارے گھر میں کوئی عورت تو ہے نہیں جو مجھے گائیڈ کرتی سب کچھ اتنی جلدی میں ہوا کہ مجھے کچھ سجھائی ہی نہ دے رہا تھا۔ وہ تو بھلا ہو تمہاری چاچی کا ان کا ہی مشورہ تھا کہ میں تم کو ایک لاکھ کی رقم دے دوں تم اپنی پسند سے کچھ لے لینا۔ ابھی تو میں تمہاری پسند سے ناواقف ہوں لیکن انشاء اللہ آئندہ ہر چیز تمہاری پسند کی ہوگی۔" وہ پیار سے کہہ رہا تھا۔ وہ سمجھوتا کر چکا تھا۔ اپنے حالات سے اور کیوں نہ کرتا اللہ نے اتنا خوب صورت سمجھوتا اس کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔ ماہ پری نے اسے دیا ہی کیا تھا سوائے ذلت، حقارت اور اس کے آئیڈیل کو مسمار کرنے کے۔ وہ لہجے میں تمام پیار جو اس کے دل میں بند تھا سمو کر اس سے باتیں کیے جا رہا تھا۔ وہ ہنوز شاک کے عالم میں تھی۔ شاہ کیا بول رہا تھا اسے کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں تو دھماکے ہو رہے تھے۔ جانے کتنے کڑے لمحوں کا زہر اتر رہا تھا لمحہ بہ لمحہ اس کے دل میں۔ ذات کی توڑ پھوڑ اور خوابوں کا یوں مسمار ہونا موت سے کتنا زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے۔ وہ آج جان گئی تھی پہلی بار اس نے شدت سے ایک ہی بار مرنے کی دعا کی تھی۔ یوں پل پل مر کر جینا کتنا دشوار تھا۔

ان چند لمحوں کے سیراب نے تو اسے تمام عمر کے لیے پیاسا کر دیا تھا۔ شاہ نے اسے خریدی ہوئی شے جانا تھا۔ عاشی کے لیے ایک ماں خرید کر لائے تھے وہ لوگ اس گھر میں اور چاچی نے اسے بلینک چیک کی طرح پہلی رات سے ہی کیش کرانا شروع کر دیا تھا۔ وہ بیوی نہیں ایک خریدی ہوئی شے تھی۔ وہ بکی ہوئی تھی۔ بکی ہوئی، بکی ہوئی۔ لفظوں کی بازگشت اس کے ذہن کو ماؤف کر رہی تھی۔

ہاتھ میں تھامے ہوئے چیک کو اس نے پتھرائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ چہرہ خطرناک حد تک سفید پڑ چکا تھا۔ چند لمحوں پہلے والا خوابناک ماحول یکسر ختم ہو چکا تھا۔

نہیں...... نہیں...... نہیں......

"میں بکی نہیں۔" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔ چیک اس نے یوں اپنے آپ سے دور پھینکا جیسے اسے کرنٹ لگ گیا ہو۔ شاہ کے لیے اس کا یہ ردعمل بڑا غیر متوقع تھا۔ عروبہ کی چمکیلی آنکھوں میں دیوانہ پن تھا۔ اپنے تحفے کی پذیرائی اس انداز میں اس سے پہلے اس نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ ماہ پری کا اپنا آپ ہر تحفے کے بعد اس پر لٹانا اسے اب بھی یاد تھا۔ عروبہ کی حالت اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ وہ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"عروبہ۔" اس نے عروبہ کو کندھوں سے تھام لیا۔

"کیا ہوا؟ کیا تحفہ پسند نہیں آیا۔" وہ اس پر جھک گیا۔

"مت چھوؤ مجھے۔" وہ تڑپ کر پیچھے ہٹی۔ "خدارا مجھے یوں پامال نہ کرو۔" وہ سسک اٹھی۔

"یہ کیا بے وقوفی ہے عروبہ۔" شاہ نے اسے جھنجھوڑنا چاہا تو وہ بے جان ہو کر اس کی بانہوں میں جھول گئی۔ بے ہوشی اور بیگانگی کی لہروں میں ڈوبتی ابھرتی عروبہ کے لیے سب ہی افراد پریشان ہو گئے تھے۔ کوئی بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا اس کی بے ہوشی کو۔ شاہ کو ایک جامد چپ سی لگ گئی تھی۔ اس عجیب سی صورت حال سے سب ہی پریشان

تھے۔ صبح ہوتے ہی چاچی کو بلا لیا گیا تھا۔

"بچی ہے نا گھبرا گئی ہوگی۔ بہت بھولی ہے ہماری عروبہ آپ بالکل فکر نہ کریں بھائی صاحب ٹھیک ہو جائے گی۔" چاچی نے نہایت چاپلوسی سے سب کو سمجھایا۔

تمام گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا۔ شاہ بری طرح گھبرا گیا تھا۔ عاشی الگ بے توجہی کی وجہ سے رو رہی تھی۔ رات کو ڈاکٹر نے پرسکون رہنے کی دوا دے دی تھی۔ اب وہ بے چین سی نیند میں تھی۔ بابا اس کے سرہانے بیٹھے تھے۔

"میں دودھ گرم کر کے لاتی ہوں۔" چاچی کمرے سے نکل گئی۔

ماتھے پر نرم ہاتھوں کا لمس محسوس کر کے عروبہ نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں۔

"کیسی ہو بیٹا اب۔" نامانوس آواز پر اس نے سر گھما کر پاس بیٹھے بزرگ کو دیکھا۔ تو جلدی سے اٹھنے کی کوشش کی۔ اسے بری طرح چکر آ گیا۔

"نہ ...... نہ بیٹا لیٹی رہو۔" بابا نے اسے ہوش میں دیکھ کر شکر کا سانس لیا۔ وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"اگر چاچی کو رات کی حرکت کا پتا چل گیا۔ وہ تو جان سے مار دے گی۔" اچانک چاچی کا چہرہ اس کے تخیل میں ابھرا تو اس کی جان نکل گئی۔

"جانے وہ چیک کدھر گیا۔ کتنی بے وقوفی ہو گئی رات کو مگر کیسے کر دیتی وہ اپنا آپ اس کے حوالے۔" وہ بٹ کر رہ گئی۔

"آپ کی چاچی بھی آئی ہوئی ہیں۔ میں بلا کر لاتا ہوں انہیں۔" بابا اس کے سر پر محبت بھرا ہاتھ پھیر کر اٹھ گئے اور وہ ان کو جاتے ہوئے بھی نہ روک پائی۔

"ہائے کیسی ہے تو اب میری بچی۔" چاچی نے آتے ہی جھٹ اسے چوم لیا۔

"ٹھیک ہوں اب چاچی۔" وہ چاچی کے عتاب کے لیے تیار تھی۔ "کمرے میں اب کوئی نہ تھا۔

"کمبخت! یہ کیا کرنے چلی تھی تو۔ کیے کرائے پر پانی پھیرے گی کیا۔ یہ نخرے نہیں چلیں گے۔ اپنے حسن میں نہیں پھنسائے گی تو کیا خاک تجھے دے گا وہ۔" چاچی نے آہستہ آواز میں چڑھائی شروع کر دی۔

"وہ چاچی ...... اصل میں کل تمام دن کچھ کھایا نہیں تھا نا۔" جانے کیسے اسے بروقت بہانہ سوجھ گیا۔ چاچی نرم پڑ گئی۔

"اچھا چل اٹھ جا اب شاباش کام ہوشیاری سے کرنا ہے۔ لڑکا تو تیرے حسن پر لٹو ہو ہی جائے گا بس تو بچی کو بھی اپنے ساتھ اتنا ہلا لے کہ تیرے بن اسے ایک پل چین نہ پڑے۔ پھر دیکھ تیری چاچی کیسے وارے نیارے کراتی ہے۔" چاچی یوں کہہ رہی تھی جیسے عروبہ اس اسکیم میں برابر کی شریک ہو۔

"وہ تو میں ہوں چاہے اپنی مرضی سے یا مرضی کے بغیر۔ لوٹنے کا ذریعہ تو میں ہی ہوں نا۔" عروبہ نے دکھ سے سوچا۔

"چل اٹھ اب ولیمے کی تیاری شروع کر۔" چاچی اٹھ گئی۔

"ہنہ کیسا ولیمہ جانے اب رات کے بعد وہ کیسے شاہ کے قریب جائے گی۔" عروبہ کی آنکھوں کے سامنے رات کا منظر گھوم گیا۔ وہ بھی اٹھ بیٹھی۔

"اے ہاں وہ لاکھ کا چیک جو رات ہی تھمایا ہے وہ تو دے ادھر۔" چاچی جاتے جاتے کچھ سوچ کر پلٹی۔ عروبہ کی جان نکل گئی۔ اب کیا کرے۔

"چاچی کون سا چیک؟ میں تو کمرے میں جاتے ہی بے ہوش ہو گئی تھی۔ چیک کا مجھے علم نہیں۔" کتنی روانی سے وہ جھوٹ پہ جھوٹ بول رہی تھی۔ کیا کرتی مجبوری تھی ورنہ چاچی کی مار لازمی تھی۔

"منحوس کہیں کی۔ ہر کام غلط کرتی ہے۔ آئندہ اگر ایسے چونچلے دکھائے تو یاد رکھ تیرے لیے بہت برا ہوگا۔" چاچی اسے دھمکی دیتی کمرے سے نکل گئی تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ آگے کا لائحہ عمل کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ رات شاہ کی آنکھوں میں ابھرتی حیرت اسے اب یاد

آ رہی تھی۔ وہ تو پرخلوص سا شخص تھا۔ ورنہ اس بے چارے نے تو چاچی کے حکم کی تعمیل کی تھی۔ پر عروبہ بھی کیا کرتی اگر اس رقم کے عوض وہ اپنا آپ شاہ کے حوالے کر دیتی تو بکی ہوئی شے بن جاتی۔ اب تو صرف لٹیری ہی کہلائے گی۔ طوائف تو نہیں۔ کتنا من مچل رہا تھا شاہ کی مہربان بانہوں کے گھیرے میں اپنے آپ کو محفوظ کر لینے کو مگر یہ اس کی قسمت میں نہ تھا۔ جتنا وہ شاہ سے اجتناب برتے گی اتنا ہی شاہ بعد میں کم ہرٹ ہوگا۔" وہ گھٹنوں میں سر دیے سوچے چلی گئی۔

"کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ اب؟" شاہ کی ہمدردی بھری آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ تم سے دوبارہ آپ پر آ گیا تھا۔ ایک طرح سے اچھا ہی تھا۔ بے کا گلی رہے گی تو بے وفائی سہنے کی تکلیف بھی کم ہوگی۔

"ٹھیک ہوں اب تو۔" وہ دوبارہ سر جھکا کر بولی۔

"اچھا آرام سے لیٹ جائیں آپ کو کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔" عاشی کی رونے کی آواز سن کر وہ کمرے سے نکلنے لگا۔

"بچی شاید رو رہی ہے؟" عروبہ کی آواز پر اس کے قدم تھم گئے۔

"اس کا نام عاشی ہے۔ آپ آرام کریں پھر رات کے فنکشن کے ہنگامے شروع ہو جائیں گے۔ عاشی کو میں جا کر دیکھنے ہی لگا ہوں۔" وہ اسے دھیرے سے کندھوں سے تھام کر بیڈ پر لٹا گیا تھا۔ عروبہ نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔ یہ پل پل کے جذباتی اتار چڑھاؤ اس کے اعصاب تھکا گئے تھے۔

کس مشکل میں پھنس گئی تھی وہ...... وہ سوچوں کے بھنور ڈوبتی ابھرتی نیند کی وادی میں کھو گئی۔

☆☆

کچھ عجیب سی ڈگر پر زندگی چل نکلی تھی۔ یہ شادی کے شروع کے ایام بھی شاید سب دنیا سے ہٹ کر تھے۔ وہ پورے گھر میں بولائی بولائی سی پھرتی تھی۔ مہمان کب کے جا چکے تھے۔ وہ اور شاہ آج بھی پہلی رات کی طرح دیوار کے آر پار کھڑے تھے۔ نہ شاہ نے دوبارہ قدم اس کی جانب بڑھایا تھا نہ ہی وہ خود ہمت کر پائی تھی۔ چاچی ان چند دنوں میں کئی دفعہ اس سے پیسے مانگ چکی تھی مگر عروبہ کے ہاتھ میں ابھی کچھ بھی نہ تھا۔ چاچی اسے سخت سست سنا کر گئی تھی۔

عاشی کے مسلسل رونے سے عروبہ کی آنکھ کھل گئی۔ آواز قریب سے ہی آ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر کمرے میں نظر دوڑائی۔ شاہ اسے کندھے سے لگائے مسلسل چپ کرانے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ روئے چلی جا رہی تھی۔ عاشی اب بھی آیا کے پاس ہوتی تھی۔ کبھی بابا اور کبھی خود شاہ اس کا خیال رکھتے تھے۔ عروبہ کو کسی نے تکلیف نہ دی۔ شاہ نے ہنی مون کے لیے لی ہوئی چھٹی بھی کینسل کر دی تھی۔ آج تک عاشی اس کے پاس نہیں آئی تھی۔ آج پہلی بار وہ اسے اس کمرے میں لایا تھا۔ شاید اس کے پچھلے دن کے رونے نے اس کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ عروبہ کی سوچ تھی جب کہ شاہ نے ایسا کچھ نہ سوچا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عروبہ کو یہی بتایا گیا تھا کہ یہ شادی محض بچی کی پرورش کی خاطر کی گئی ہے۔ ظاہر ہے ان حالات میں اسے کچھ وقت تو درکار ہونا ہی تھا اس کی طرف بڑھنے کے لیے۔ عروبہ اک متوسط طبقے کی لڑکی تھی۔ پیسے کی کمی نے ہی اسے اس رشتے کو اپنانے پر مجبور کیا ہوگا۔ شاہ اسے مزید اذیت دینا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ عروبہ اسے، بابا، عاشی اور اس گھر کو تن من سے قبول کر کے ہی اس کی زندگی میں قدم رکھے۔

اس کی آنکھ بھی عاشی کے مسلسل رونے سے ہی کھلی تھی۔ آیا تو شاید گھوڑے بیچ کر سوئی تھی۔ شاہ اسے سینے سے لگائے اپنے کمرے میں لے آیا تھا کہ کہیں بابا کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ مگر جانے کیوں اب وہ چپ ہی نہ ہو رہی تھی۔ وہ مسلسل اسے بہلائے جا رہا تھا۔ کتنا پریشان لگ رہا تھا وہ۔ عروبہ ادھ کھلی آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔

"لائیے مجھے دیں، شاید میرے پاس چپ ہو

جائے۔" عروبہ سے رہا نہ گیا تو مدھم آواز میں اس نے شاہ کو پکارا وہ چونک سا گیا۔
"آپ کیوں جاگ گئیں؟"
"جانے کیسے آنکھ کھل گئی؟" وہ معنی خیز نظروں سے روتی ہوئی عاشی کو دیکھ کر بولی۔ شاہ بات سمجھ کر شرمندہ سا ہو گیا۔ حالانکہ عروبہ مذاق کر رہی تھی۔
"سوری مجھے احساس کرنا چاہیے تھا۔" اس کی معذرت پر عروبہ حیران رہ گئی۔ اس نے آج تک مرد کا یہ روپ نہ دیکھا تھا۔
"میں اسے باہر لے جاتا ہوں۔" وہ کمرے سے نکلنے لگا۔ عاشی بری طرح رو رہی تھی۔
"سنیے۔" عروبہ نے اس کا بازو تھام کر اسے روکا۔ شاہ نے اس کا ہاتھ اپنے بازو پر محسوس کر کے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔ عروبہ نے دھیرے سے ہاتھ پیچھے کرالیا۔
"مجھے دیں بابا ڈسٹرب ہوں گے۔ شاید یہ مجھ سے چپ ہو جائے۔" وہ اب تک روتی ہوئی عاشی کو بہلا رہا تھا۔
"پھر وہ سا تو کر کے دیکھیں۔" عروبہ نے اصرار کیا۔
"ہم نے تو کیا ہے بچھا آپ بھی کر کے دیکھیں۔" شاہ نے گہری بات کرتے ہوئے عاشی اس کی بانہوں میں دے دی اور خود کمرے سے نکل گیا۔
نیا لمس محسوس کر کے عاشی کچھ دیر یونہی زور زور سے روتی رہی مگر عروبہ اسے سینے سے لگائے آہستہ آہستہ میٹھی آواز میں اس سے باتیں کرتی رہی اور ٹہلتی رہی۔ کچھ ہی دیر میں وہ اس کی آغوش میں سو چکی تھی۔ اتنا چھوٹا بچہ اٹھانے کا اسے بھی تجربہ نہ تھا اور یوں بھی ٹہل ٹہل کر اس کے پیر شل ہو گئے تھے۔ سو عاشی کو پہلو میں لٹا کر وہ خود بھی ساتھ ہی لیٹ کر شاہ کے نکلتے سے کہے ہوئے جملوں پر غور کرتے کرتے سو گئی۔ کچھ ایسی ہی حالت میں دونوں کو ساتھ ساتھ سوتا پایا تھا۔ شاہ نے جب وہ صبح کمرے میں آیا تھا آفس کے لیے تیار ہونے کے واسطے۔
"کب تک چھڑاؤ گے دامن۔ وہ ہولے سے عروبہ کے بال ماتھے سے ہٹا کر سرگوشی میں بولا۔ پھر عاشی پر جھک کر اسے بوسہ دیا اور تیار ہونے چل دیا۔ عروبہ اس کا لمس محسوس کر کے کسمسا کر پھر سو گئی۔

☆☆

"میں پوچھتی ہوں کب تک چلے گا یہ چکر۔ ایسے ہی تو اپنا آپ فری میں اس پر لٹاتی رہے گی کہ کچھ پیسہ ویسہ بھی وصول کرے گی۔ اب تک تو نواب زادے نے ایک دھیلا نہیں دیا۔ مجھے پیسے کی سخت ضرورت ہے۔" چاچی غضب ناک لہجے میں بولی۔ باہر بابا جان کے سامنے کیسی میٹھی زبان بول رہی تھی اور وہی زبان اب کیسے زہر اگل رہی تھی۔ عروبہ چاچی کے اس انداز کو اچھی طرح پہچانتی تھی۔ ذرا بھی چون چراں کرتی تو چار چوٹ کی مار پڑ جاتی۔ سو خاموش بیٹھی رہی۔
"کیوں ری گھنی اتنے دن ہو گئے مار کھائے ہوئے تو شاید اس لیے۔" چاچی اس کی طرف جارحانہ انداز میں آگے بڑھی۔
"نہیں نہیں چاچی۔ ایسی کوئی بات نہیں۔" عروبہ کانپ کر پیچھے ہٹی۔ "شاہ نے تو مجھ سے زیادہ بات ہی نہیں کی کبھی۔ البتہ عاشی مجھ سے کافی مانوس ہو گئی ہے۔" عروبہ نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔
"ہنہ ارے اتنی حسین شے ایسے ہی تو حوالے نہیں کر دی لاکھوں نہ نکلوائے تو عارفہ نام نہیں۔ کمینی تو بھی زیادہ معصوم نہ بن اس کے سامنے۔ کس لیے بھیجا تھا۔ چاکری کرنے تو نہیں۔ پھانس اسے اپنے حسن کے جال میں۔ اے ہاں ایک ماہ ہونے کو آیا اور پیسہ ندارد۔ فوراً کام شروع کر ورنہ ایسا سبق دوں گی کہ یاد کرے گی۔" چاچی نے اسے گھورا۔
"کچھ وقت دو میں سب کر لوں گی۔" وہ منمنائی۔
"ہوں جلدی مجھے رقم کا بندوبست کر کے دے اور ہاں عشق وشق کے چکر میں ہرگز نہ پڑنا۔ تیرا وقت یہاں کم ہے۔ کسی خیال میں نہ رہنا۔ ورنہ تو مجھے اچھی طرح جانتی ہے۔" چاچی اسے اچھی طرح دھمکا کر نکل گئی۔ وہ دھنس ڈھے سی گئی۔ آنسو بکھرے ہوئے سوتی کی لڑیوں کی طرح گالوں پر لڑھک رہے تھے۔ کتنی مجبور و بے بس تھی وہ۔ کسی پر بھی تو اختیار نہ تھا اس کا۔
"عروبہ بیٹی۔" باہر سے بابا جان کی آواز پر وہ فوراً اٹھ بیٹھی۔ جلدی سے ہاتھ کی پشت سے آنسو رگڑ ڈالے۔ کہیں بابا کمرے میں ہی نہ آجائیں۔
"آرہی ہوں بابا جان۔" وہ جلدی سے لاؤنج میں آگئی۔
"بیٹا یہ عاشی موڈ آف کر رہی ہے۔ شاید بھوک لگی ہے۔" بابا اس کو اچھال رہے تھے۔ عروبہ کو دیکھ کر وہ ہمک کر اس کی گود میں چڑھ گئی۔ عروبہ کھلکھلا کر ہنس دی۔
"دیکھو ذرا چند ماہ کی ہے اور اتنی بے وفا۔ ہم سے زیادہ مامی سے پیار ہو گیا ہے شریر کہیں کی۔ اس کی ماں ہوتی تو وہ بھی اپنی بھابھی کی دیوانی ہوتی۔" بابا آہ بھر کر رہ گئے۔
"بابا!" وہ مصنوعی ناراض ہوئی۔ "آپ کیا مجھ سے ناراض ہیں جو اس کی ماما کی یاد آگئی؟"
"الحمدللہ تم تو بڑی ہی پیاری بچی ہو۔ ضرور ہمارا کوئی عمل خدا کو پسند آگیا ہو گا جو انعام میں تم ہمیں مل گئیں۔ تم جیسی پرخلوص اور محبت کرنے والی اور کون ہو گی۔ یہ تو ہماری قسمت اچھی تھی ورنہ...... ان کی نظروں میں ماہ پری کا چہرہ گھوم گیا۔ میں تو بس یوں ہی......" بابا اس کا سر تھپک کر بولے تو عروبہ بھی سا مسکرا دی۔
"جانے آپ کی قسمت اچھی ہے یا بری۔ یہ آپ کیا جانیں۔" وہ اٹھ کر عاشی کا فیڈر بنانے چل دی۔
چاچی کا مطالبہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اسے اپنے اور شاہ کے درمیان کھڑی دیوار اب شاید خود گرانا پڑے گی۔ کتنا گھمنڈ تھا کہ وہ بازاری عورت نہیں بنے گی مگر اب تو شاید یہ بھی کرنا پڑے لیکن سب سے بڑا مسئلہ تو رقم کا تھا۔ چاچی نے کل تک کی مہلت دی تھی۔ کیسے مانگتی اتنے پیسے۔ دس بیس ہزار نہیں دو لاکھ مانگے تھے چاچی نے۔
"منہ دکھائی کا چیک اور گھر کے خرچے کی رقم ملا کر جو کہ شاہ نے اس کے ہاتھ پر لا کر رکھ دیے تھے۔ اس کے پاس تقریباً ڈیڑھ لاکھ تھے۔ مگر مزید پچاس ہزار کیسے مانگتی۔ "کیا وہ سوچے گا نہیں کہ اتنی رقم مجھے کیا کرنی ہے۔" اور واقعی عروبہ نے تو اپنی پوری زندگی میں اتنے پیسے نہیں دیکھے تھے لیکن اب یہ مطالبہ کرنا ضروری ہو گیا تھا اگر وہ انکار کرتی تو ہو سکتا ہے چاچی اس کا ماضی اور کردار تار تار کر کے شاہ کے سامنے رکھ دیتی یا پھر اسے مار مار کر ادھ موا کر دیتی۔ شاہ کے لیے وہ مار تو سہہ سکتی تھی لیکن اپنے دامن پر لگے داغ اسے شاہ کے آگے رسوا کر دادیں یہ اسے گوارا نہ تھا۔ بھلے اس کے لیے اسے اپنی انا عزت نفس اور اپنا آپ بھی کیوں نہ بیچنا پڑ جائے۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

امپورٹڈ

بجائے کار وہ بیوی نئی امپورٹ کرتے ہیں
اگرچہ اس بکھیڑے میں بھی پیسہ کم نہیں لگتا
کہا اس شخص نے امپورٹڈ کے بارے میں
یہ وہ دولت ہے جس کا پورٹ پر کسٹم نہیں لگتا
(ارم الیاس خانزادہ۔ ٹنڈو الہ یار)

"سنیے۔" اپنے پراگندہ خیالات سے نکل کر اس نے شاہ کو آواز دی جو بیڈ پر لیٹا کتاب پڑھ رہا تھا۔ وہ خود صوفے پر پاؤں سمیٹے بیٹھی تھی۔ رسالہ تو اس کے بھی ہاتھ میں تھا۔ یہ ان کے روزمرات کی روٹین تھی۔ وہ کتنا پڑھتی تھی یہ صرف وہ ہی جانتی تھی۔
اس کی آہستہ آواز شاید شاہ نے سنی نہ تھی۔
"بات سنیں۔" وہ قدرے اونچا بولی۔
"جی سنائیں۔" شاہ کتاب سینے پر رکھ کر شرارت سے بولا۔ اگرچہ وہ تکلف اور اجتناب کی دیوار اب بھی دونوں کے بیچ ایک نہ ختم ہونے والی حقیقت کی طرح کھڑی تھی مگر عاشی کی وجہ سے کچھ حیدر شاہ کی نرم طبیعت کی وجہ سے وہ دوستانہ ماحول میں رہ رہے تھے۔
"کبھی تو یہ دوستی محبت میں بدلے گی۔" اس کا حیدر

شاہ کو پورا یقین تھا۔ وہ اس رشتے میں زبردستی کا قائل نہ تھا۔ شادی تو دو جسموں سے پہلے دو روحوں کا ملاپ ہوتا ہے۔ یہ تو دل کے سودے تھے ان میں زبردستی کیسی نہ ہی شاہ کو یوں اپنے حقوق حاصل کرنے کا شوق تھا۔ اب بھی وہ اس کے اس تکلف پر مسکرا دیا۔

"آپ سے کچھ ضروری بات کرنا تھی۔" وہ بے چینی سے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ شاید نروس تھی۔

"تو کریں نا۔ بندہ کب سے منتظر ہے۔" اس نے شوخ سی ذومعنی بات کی۔ عروبہ اس کی گہری نظروں سے گھبرا گئی۔ ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک اٹھے تھے۔ وہ جانے کیا بکھر رہا تھا۔

"کیسے بات شروع کرے۔" سوچ کر ہی اس نے ہونٹوں کو دانتوں تلے کچلا۔ شکل سے پریشانی ہویدا تھی۔ شاہ نے بغور اسے دیکھا۔ چہرہ متوقع طور پر حیا سے سرخ ہونے کے بجائے پیلا پڑا ہوا تھا۔ وہ سنجیدہ ہو گیا۔ کتاب بند کر کے بیڈ سائیڈ پر رکھ دی اور اٹھ کر اس کے قریب ہی آ کر بیٹھ گیا۔ وہ اب بھی خاموش تھی۔ شاہ کو اپنے قریب پا کر وہ بے اختیار پرے کھسک گئی لیکن پھر دوبارہ قریب ہو گئی۔ شاہ نے اس کے مزید زرد پڑتے چہرے کو دیکھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی قربان گاہ پر قربان کیے جانے کو تیار ہو۔ شاہ اس کی بے وقوفی پر جھنجلا گیا۔ کیا اس نے شاہ کو اتنا نفس کا مارا ہوا انسان سمجھا تھا جو بیوی کی مرضی کے بغیر بھی اسے تسخیر کر لینا چاہتا ہو مگر پھر وہ سمجھ گیا کہ یہ ہمارے معاشرے کے دباؤ تھے جو ہر لڑکی کو یہ باور کرا دیتے تھے کہ میاں کے لیے وہ باندی کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ جب چاہے جو چاہے کر سکتا ہے۔

"عروبہ! آپ کے اور میرے درمیان ایک اٹوٹ رشتہ بندھ چکا ہے۔ ہم میاں بیوی تو ہیں ہی لیکن اس سے بھی زیادہ ہم دوست ہیں۔ پلیز آپ کے دل میں کوئی بوجھ ہے تو مجھ سے کہہ کر ہلکا کر لیں۔" اس نے پیار سے عروبہ کو سمجھایا۔

"میں..... میں کچھ اور کہنا چاہ رہی تھی۔" موضوع کا رخ یکسر دوسرا ہونے سے وہ مزید گھبرا گئی تھی۔

"اگر کوئی مسئلہ ہے تو کھل کر بیان کریں۔ مجھ سے نہیں کہیں گی تو کیا ہمسایوں سے کہیں گی۔" وہ شاید اسے پرسکون کر رہا تھا اور کچھ کامیاب بھی ہو گیا کیونکہ وہ مسکرا دی تھی۔ "کتنا آسان تھا اس شخص سے بات کرنا۔"

"مجھے کچھ اور پیسے چاہیے تھے۔"

"کتنے؟" شاہ نے پوچھا مگر وہ اس کی بات سنے بنا بولے ہی چلی گئی۔

"اپنے لیے نہیں آپ یقین کریں عاشی کے لیے۔ اس کی کچھ ضروریات کی اشیا خریدنی تھیں۔" وہ وضاحتیں دے رہی تھی کہیں شاہ کو شک نہ ہو جائے۔

"آپ اگر وضاحت نہ بھی دیتیں تو کچھ فرق نہ پڑتا۔ آپ اور میں ایک ہیں۔ جو کچھ میرا ہے آپ کا بھی ہے۔ چلیں بتائیں کتنے چاہیے ہیں؟" عروبہ شرمندہ ہو گئی۔ حیدر شاہ نے اس کی شرمندگی محسوس کر لی تھی۔ دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی ہتھیلیاں نم ہو رہی تھیں۔ ہاتھ ٹھنڈے پڑے ہوئے تھے۔

"ارے مجھ سے اتنا خوف۔ اس کی کیا وجہ ہے؟" ماہ پری کتنا کتنا روپیہ اس سے مانگ لیتی تھی مگر اس کی تو حالت غیر تھی۔

"پچ..... پچاس ہزار۔" وہ ہکلا گئی۔ شاہ مسکرا دیا۔ اتنی سی رقم پر اتنی پریشانی۔ اسے ترس بھی آیا۔ عروبہ جس کلاس سے تعلق رکھتی تھی وہاں تو پچاس ہزار ایک بڑی رقم تھی۔ ماہ پری تو ایک دن میں اتنا خرچ کروا دیتی تھی مگر وہ عروبہ کو مزید شرمندہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ سو خاموشی سے اٹھ کر اس نے چیک لکھا اور عروبہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ تین ہی تو ہستیاں تھیں اس کی زندگی کا کل سرمایہ۔ عروبہ عاشی اور بابا۔ ان کے لیے تو جان بھی حاضر تھی۔

"مگر عروبہ..... وہ تو زمین میں گڑی جا رہی تھی۔ اسے اپنا آپ گندی نالی کے کیڑے سے بھی کمتر محسوس ہوا۔ کتنی مجبور تھی وہ اس دیوتا کو دھوکا دینے پر۔ وہ خاموشی سے مٹھی میں چیک بھینچے اٹھ گئی۔ ایک لفظ شکریہ کا

بھی نہ ادا کر پائی۔ "کتنی منافق تھی وہ۔"

کچھ تھا جو شاہ کی چھٹی حس کو بیدار کر رہا تھا۔ عروبہ کا یہ متضاد سا رویہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ قربت میں خلوت میں اس کا شاہ سے گریز اور پھر خود ہی مضطرب ہو کر پھر شاہ کو پریشانی میں ڈال رہا تھا۔ ان کی موجودہ روش نارمل سے بالکل ہٹ کر تھی۔ اگرچہ ان کے درمیان ازدواجی رشتہ قائم نہ ہوا تھا پھر بھی وہ شاید اس کی گھر کی ہر ذمے داری اٹھا کر پورا کرنا چاہتی تھی۔ میکے کا تو نام تک بھی زبان پر نہ لاتی تھی۔ شاید ڈرتی ہے کہ میں روایتی شوہر کی طرح اس کے میکے سے چڑ نہ جاؤں (ویسے عروبہ کو چاچی اور اس کا بیٹا شاہ کو ایک آنکھ نہ بھاتے تھے) عروبہ دن بدن کمزور اور پریشان لگنے لگی تھی۔

"میری وجہ سے وہ اپنے سے کیوں دور ہے۔" شاہ سوچ رہا تھا۔

☆☆

"چاچی صدقے جائے۔ میری بیٹی اور داماد آئے ہیں۔ ارے گوڈے بھاگ جا کر کوئی ٹھنڈا گرم لے کر آ دیکھ کون آیا ہے۔" ان کو دیکھ کر لمحہ بھر کو تو چاچی گھبرا گئی تھی۔ کمبخت فون کر دیتی تو وہ گھر میں لائی تمام نئی قیمتی اشیاء غائب کر دیتی لیکن یہ سب اب بے سود تھا۔

اس نے جلدی سے شیدے کو سین سے غائب کیا۔ وہ کافی بے وقوف تھا اور شیخی مارنے کا ماہر۔ دو لاکھ کا ذکر ہی نہ چھیڑ بیٹھتا کہیں۔ جب سے پیسہ ملا تھا وہ کچھ اور سوچتا ہی نہ تھا۔ چاچی بھی خوشی سے پاگل ہو گئی تھی۔ اسے امید نہ تھی کہ اتنی بڑی رقم یک مشت مل جائے گی۔ اس کا خیال تھا عروبہ تھوڑا تھوڑا کر کے اسے دیتی رہے گی۔ پر شاید حیدر شاہ ضرورت سے زیادہ ہی امیر اور بے وقوف تھا اور عروبہ کچھ زیادہ ہی ڈری ہوئی۔

"لگتا ہے خوب سر چڑھ کر بول رہا ہے محبت و حسن کا جادو۔" حیدر شاہ کو عروبہ کا اتنا خیال کرتے دیکھ کر چاچی مکاری سے مسکرائی۔ تو اس کے حق میں اور بھی اچھا ہوا۔

"آج کیسے یاد آ گئی غریب چاچی کی؟"

"آنٹی! یہ خود تو کچھ کہتی نہیں نہ ہی یہاں آنے کا نہ ہی کسی اور چیز کے لیے تو میں نے سوچا میں خود ہی لے آؤں۔ سب لڑکیاں اداس ہوتی ہیں۔ اپنے گھر کے لیے چاہے سسرال کتنا ہی چاہنے والا کیوں نہ ہو۔"

"یہ تو اس کے اچھے مقدر ہیں جو تم لوگوں جیسے چاہنے والے مل گئے۔ ورنہ دنیا کیسے کیسے دکھ دیتی ہے یہ تو تجربہ حاصل کر چکی ہے۔" چاچی نے ذومعنی جملہ کہا۔ شاہ نہ سمجھتے ہوئے ان کو دیکھنے لگا۔ عروبہ پیلی پڑ گئی۔ عامر کا حوالہ بن کے۔ وہ چاچی کو اچھی طرح جانتی تھی۔ "تو کیا پردہ اتنی جلد اٹھنے والا تھا۔ دو لاکھ بہت ہوتے ہیں۔" وہ کانپ سی گئی۔

"عروبہ آپ ٹھیک تو ہیں؟" وہ پریشانی سے عروبہ پر جھک گیا۔ "یہ تو آج آ ہی نہیں رہی تھیں۔ شاید طبیعت خراب ہی تھی جو آنے سے منع کر رہی تھیں۔ میں زبردستی ہی لے آیا۔" وہ جیسے خود کلامی کر رہا تھا مگر عروبہ کی جان پر بن آئی۔ اس نے ڈر کر چاچی کو دیکھا۔

"بڑی ہی بھولی اور ناسمجھ بچی ہے ہماری۔" چاچی نے دانت بھینچ کر عروبہ کو خونخوار نظروں سے گھورا۔ شاہ اس کو لیے صوفے پر بیٹھا رہا تھا۔ وہ کونے میں دبک کر سمٹ گئی۔ کمرے میں عجیب سی خاموشی چھا گئی تھی۔ عروبہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

شاہ نے تو عروبہ سے توجہ ہٹا کر چاچی کو دیکھا۔

"کیسی ہیں آنٹی آپ؟" شاہ نے کمرے کی خاموشی کو توڑا۔ وہ مسلسل محسوس کر رہا تھا کہ سب کچھ ویسا نہیں تھا جیسا نظر آ رہا تھا۔

"بس بیٹے جی رہے ہیں۔ اپنے بچوں کو ہی پرواہ نہیں رہتی تو انسان کسی اور سے کیا شکوہ کرے۔" چاچی نے ٹھنڈی آہ بھری۔ دل تو کر رہا تھا اس مسکینی کا منہ توڑ کر رکھ دے۔ لیکن یہ وقت ان باتوں کا نہ تھا۔ اس کو نظر آ رہا تھا کر لڑکا بہک گیا ہے۔ پر خطرہ تو اپنے مال سے تھا۔ عروبہ کے ڈھنگ کچھ ٹھیک نہ تھے۔ جتنا مال ہتھیا سکتی تھی ابھی ہتھیا لے تو بہتر ہے۔ میں نے بھی کوئی کچی گولیاں نہیں

کھیلی ہیں۔ مزے تو اڑائے اور ہم اپنا مال بھی وصول نہ کریں۔'' اس نے مکروہ انداز میں سوچا۔

''ایسے کیوں کہہ رہی ہیں۔ کیا کچھ مسئلہ ہے؟'' شاید عروبہ بھی اس مسئلے سے واقف تھی جو اتنی پریشان تھی۔ شاہ نے معصوم انداز میں سوچا۔ وہ ان گہری چالوں کو کیا جانتا۔ وہ تو خود بھی مخلص انسان تھا اور دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھتا تھا۔

''بس بیٹا شیدے کو تو تم نے دیکھا ہی ہے۔ نکما ترین لڑکا ہے اور یہ اپنی عروبہ یہ تو شادی کے بعد ایسے پرائی ہوئی کہ مڑ کر چاچی کا حال تک نہ پوچھا۔ بس بیٹا عزت بچا کر بیٹھے ہیں۔'' چاچی کی بات پر شاہ نے حیرت سے قیمتی ساز و سامان سے سجے کمرے پر ایک اچٹتی سی نظر دوڑائی۔ اس کی نظروں کا جائزہ چاچی سے پوشیدہ نہ تھا۔

''اچھے وقتوں میں شیدے کے والد نے جو کچھ دیا تھا وہ ہی نکال نکال کر استعمال کر رہی ہوں۔ یہ عروبہ بٹی کے بیاہ پر کتنا قرض چڑھ گیا۔ تم سے کیا کہوں۔ شکر ہے بچی خوش ہے۔ تو سمجھو ہم بھی خوش ورنہ زندگی تنگ ہے ہم پر۔'' چاچی چھکوں پھکوں رونے لگی۔ ایسے جانے کتنے ہی آنسوؤں کے ذخیرہ چاچی موقع کے مطابق آنکھوں سے لٹا سکتی تھی۔ خاطر خواہ اثر ہوا اور شاہ کی تمام توجہ گھر کے سامان سے ہٹ کر چاچی پر لگ گئی۔ عروبہ اس کی ماہرانہ ایکٹنگ پر حیران رہ گئی۔ کتنی شاطر تھی یہ عورت۔ وہ آج سے پہلے کیوں نہ اس کی اصلیت جان پائی تھی۔

''ابھی تو یہ دس ہزار رکھ لیں اور ضرورت ہوئی تو کہلا دیجیے گا۔'' حیدر شاہ عروبہ کی اٹھنے پر اصرار کی ہلکی ہلکی سرگوشیوں پر اٹھ کھڑا ہوا۔ چاچی کسی کام سے باہر نکلی تھی۔ یہ سب اب عروبہ کی برداشت سے باہر تھا۔ گھر سے نکلتے سے شاہ نے چاچی کے ہاتھ پر دس ہزار رکھ دیے۔

عروبہ کا رنج سے برا حال تھا۔ بول کچھ نہ پائی بس خاموشی سے سر جھکائے حیدر شاہ کے پیچھے چل دی۔

''اے دو منٹ تو رک بیٹی دو گھڑی سینے سے ہی لگا لوں۔'' چاچی نے ہاتھ پکڑ کر اسے پیچھے روک لیا۔ شاہ قدم آگے بڑھا گیا تھا۔

''منحوس ذلیل کمینی۔ آئندہ جو تمہیں یوں دودھ سے مکھی کی طرح نکالا تو تیرا بھی آخیر ہو جائے گا۔ بڑی مہارانی بن گئی ہے۔ سارے کس بل نکال دوں گی۔ یاد رکھ ایسا تیرے بے داغ دامن کو داغ داغ اور تار تار کروں گی کہ یہ جو آج تیرے پیروں تلے ہاتھ رکھتا ہے تجھ پر تھوکے گا بھی نہیں۔'' چاچی نے اس کے کانوں میں زہر انڈیلا اور سینے سے لگا کر گاڑی میں بٹھا دیا۔

☆☆

عاشی کو صبح سے ہی تیز بخار تھا۔ گھر کا تمام نظام سنبھالنے کے ساتھ ساتھ اس نے آیا بھی نکال دی تھی۔ عاشی کا ہر کام وہ خود کرتی تھی۔ عاشی کے بخار نے عروبہ کو پریشان کر دیا تھا۔ ایک لمحے کو بھی اس نے عاشی کو گود سے نہ اتارا تھا۔ بابا کہہ کہہ کر تھک گئے تھے کہ کچھ اپنی بھی فکر کرے مگر وہ سنی ان سنی کر دیتی تھی۔ عاشی کا بخار اسے بے چین کر رہا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ رو رہی تھی۔ بچوں کا تجربہ تو اسے بھی نہ تھا سو اس کی پریشانی بھی بجا تھی۔

دو دفعہ وہ ڈاکٹر صاحب کو کلینک سے بلا کر دکھا چکی تھی مگر تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

''معمولی موسمی بخار ہے مسز شاہ آپ کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہیں۔ اپنی میعاد پوری کر کے خود بخود اتر جائے گا۔ بس جو سیرپ میں نے لکھ دیے ہیں وہ ہر چھ گھنٹے بعد دیتی رہیے۔'' تیسری دفعہ ڈاکٹر نے آنے سے انکار کر دیا اور فون پر ہی اسے سمجھا دیا تھا۔ اسے اور بھی مریض دیکھنے تھے جو کافی سیریس تھے۔

''دیکھا آپ نے بابا۔ کتنے ظالم ہوتے ہیں یہ ڈاکٹر۔ اپنی بیٹی ہوتی تب میں دیکھتی۔'' وہ جل کر فون بند کر کے بولی۔ موڈ سخت خراب تھا۔ بابا ہولے سے منہ پھیر کر مسکرا دیے۔ اس وقت عروبہ کو کچھ سمجھانا فضول تھا۔ پچھلے چار ماہ میں وہ عروبہ کا عاشی سے بڑھتا پیار بخوبی دیکھ رہے تھے۔

اور عروبہ اس کے لیے تو عاشی سے قیمتی اور کوئی شے نہ

تھے۔ عاشی ہی تو وہ مضبوط رشتے کی ڈور تھی جو اس کو شاہ سے باندھے ہوئے تھی۔ ورنہ اپنا اور شاہ کا رشتہ جس نازک ڈور سے بندھا تھا' عروبہ خوب اچھی طرح جانتی تھی۔ ازدواجی رشتے کی ناپائیداری سے تو وہ اچھی طرح واقف تھی۔ چاچی کی دھمکیاں اور طلاق کے خوف سے وہ ہر وقت سہمی رہتی تھی۔ وہ اس جنت میں رہنے کے عوض چاچی کے بنا مانگے ہی اسے رقم مہیا کر دیا کرتی تھی۔

شاہ کی محبت کا احساس تھا لیکن اب اس احساس نے اک نیا موڑ لے لیا تھا جو عروبہ کے لیے مزید پریشانی کا باعث تھے۔

شاہ کے پیار میں کوئی کمی نہ تھی مگر اس نے عروبہ کے پیار کو بھی قبول نہ کیا تھا۔ کئی بار عروبہ نے غیر محسوس طریقے سے اپنا آپ شاہ کے حوالے کرنا چاہا۔ شوہر کی حیثیت سے بھی اور جو کچھ وہ عروبہ کو دیتا تھا اس کے بدلے میں بھی شاہ کو ہر طرح کا عروبہ پر حق تھا۔ یہی سوچ تھی عروبہ کی مگر جانے کیوں وہ مسکرا کر گریز کر جاتا۔ بنا اس کا دل توڑے بات بدل جاتا۔ عروبہ دل مسوس کر رہ جاتی تھی۔ شاید وہ ہی ان تمام چاہتوں کے قابل نہ تھی۔ اس کا ناپاک پیار تھا ہی نہیں قابل قبول۔ گھن آنے لگی تھی اس کو اپنے اس حسین وجود سے۔ جب بھی وہ چاچی کو دینے کے لیے جھوٹ بول کر شاہ سے رقم طلب کرتی تو اسے اپنا آپ ایک بازاری عورت سے بھی گرا ہوا محسوس ہوتا۔ کیا حق تھا اسے ان سب پر۔ اس نے اپنی تمام خواہشات بے دردی سے کچل ڈالی تھیں اور اپنا آپ عاشی اور بابا کی خدمت پر مامور کر دیا تھا۔ چاچی کی رقم کے علاوہ ایک پائی بھی اپنے آپ پر خرچ کرنا وہ گناہ سمجھتی تھی۔

عاشی کے بخار اور عروبہ کی اتنی پریشانی دیکھ کر بابا نے شاہ کو گھر بلا لیا۔

''کیا ہوا عاشی کو؟'' پریشانی اس کی شکل سے ہویدا تھی۔

''معمولی بخار ہے مگر عروبہ بیٹی بہت گھبرا رہی تھی۔ بس اس لیے تم کو بلایا ہے۔ آج کام گھر پر ہی کر لو۔'' بابا کے کہنے پر اس نے چند ضروری فائلز گھر پر ہی منگوا لیں۔ عاشی اب دوائیوں کے اثر تلے پرسکون سو رہی تھی۔

''کب تک یوں بے وقوف بنتے رہو گے حیدر شاہ۔ اتنے ممتاز اور کائیاں بزنس مین ہو۔ سنا ہے اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہو تو پھر کیوں مجھ سے دھوکا کھا رہے ہو۔ اپنی آنکھوں سے پیار کی رنگین پٹی اتار کر دیکھو۔ میرا مکروہ وجود تم کو صاف نظر آئے گا۔''

آفس کے کام میں منہمک شاہ پر اس نے ایک چور نگاہ ڈالی۔ کبھی کبھی تو عروبہ کا دل چاہتا تھا وہ شاہ کو جھنجوڑ کر اس بے خبری کی نیند سے اٹھا دے۔

اور اس کی ان تمام پراگندہ سوچوں سے انجان شاہ اپنے ہر فعل سے مطمئن تھا۔ ہر حقیقت سے آگاہ ہونے کے بعد جو لائحہ عمل اس نے اختیار کیا تھا وہ ہی ان حالات میں بہتر تھا۔ کبھی اس کو عروبہ سے گلہ ہوتا بھی تھا۔ آخر وہ کیوں اس کو قابل اعتبار نہیں سمجھتی تھی۔ پھر خود ہی اپنی سوچوں کو جھٹک دیتا تھا۔ اس کی محبت ہولے ہولے اس کے دل میں جگہ بنا ہی لے گی۔ اتنی محنت کرتی تھی تمام دن سب کا دل جیتنے کے لیے۔ حالانکہ ان تمام باتوں کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی۔ عاشی کو تو اس نے بے لوث پیار دیا تھا۔ آج کتنی پریشان تھی جب وہ آیا تھا۔ اب بھی بڑی مشکل سے اس نے عروبہ کو لٹایا تھا۔ شاہ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی۔ کتنی تھکن اور پریشانی تھی اس کے چہرے پر۔ وہ آنکھیں موندے لیٹی تھی۔ پلکوں کی لرزش سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ جاگ رہی تھی۔

''عروبہ'' وہ اٹھ کے اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

شاہ کی آہٹ محسوس کر کے وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ گہری نظریں اس کو کنفیوژ کرنے کو کافی تھیں۔ اس نے جلدی سے کپڑے اور دوپٹہ درست کیا۔ شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

''کیوں اتنی پریشان ہیں؟'' اس نے دھیرے سے اسے کندھوں سے تھام کر دوبارہ لٹا دیا۔ وہ نیم دراز سی لیٹ گئی تھی۔

''پریشان تو نہیں۔'' خوف کا عنصر اس کی آنکھوں میں نمایاں تھا۔

''عروبہ! کمال ہے۔ بچے تو یوں ہی بیمار ہو جاتے ہیں۔ اس طرح تو آپ خود بیمار پڑ جائیں گی۔'' وہ ہولے ہولے اس کے بال چہرے سے ہٹانے لگا۔ عروبہ نے اک گہرا سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔ کتنا سکھ تھا جیسے محبت اس کی انگلیوں سے نکل نکل کر اس کی رگوں میں منتقل ہو رہی ہو۔ وہ اس لمس کو اس چاہت کی پھوار کو کچھ دیر اور محسوس کرنا چاہتی تھی۔ چاہنے کے باوجود وہ اس کا ہاتھ دھکیل نہ سکی۔ شاید لالچی ہو گئی تھی اس محبت کی۔

''اب بھی پریشان ہو؟''

''نہیں تو۔'' عروبہ نے شاہ کی مشکوک نظریں محسوس کر لی تھیں۔ ''سچ؟'' وہ مسکرا کر بولا۔

''اصل میں پہلے کبھی کوئی بے بی نہیں سنبھالا نا تو بس۔'' وہ بولی۔

''یہ تو ہے۔ پہلی پہلی بار ہے نا ہم دونوں کی۔'' شاہ ذو معنی بولا۔ وہ خاموش رہی۔

''ویسے ایک فائدہ بھی ہے۔'' وہ شوخ ہو چلا تھا۔

''اچھا وہ کیا؟'' وہ بھی ریلیکس ہو گئی تھی۔

''یہی کہ جب اپنی ننھی منی سی گڑیا آئے گی تو ہم کو پریکٹس ہو چکی ہو گی۔ مجھے بالکل تم جیسی گڑیا چاہیے۔ بھولی بھالی، معصوم، خوب صورت، خوب سیرت۔'' وہ اپنی دھن میں مگن بولے جا رہا تھا۔

عروبہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ خوب صورت باتوں کا تمام نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ آواز کا طلسم ٹوٹ چکا تھا۔ اس نے دھیرے سے شاہ کا ہاتھ پرے کر دیا۔

''کیا ہوا؟'' ماحول کی تبدیلی کے احساس سے ایک تاسف حیدر شاہ کے دل میں ابھرا۔

''عاشی شاید بے چین ہے۔''

''مگر وہ تو سو رہی ہے۔ ابھی تو اسے دوا دی تھی۔''

''مجھے بابا کو بھی دیکھنا ہے۔ کب سے اندر بیٹھی ہوں۔'' وہ تیزی سے گریز کر کے کمرے سے نکل گئی۔

''معصوم...... خوب سیرت...... بھولی۔'' حیدر شاہ کے الفاظ اس کے کانوں میں بازگشت کر رہے تھے۔

''نہیں ہوں میں یہ سب۔'' اس نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر سر دروازے سے ٹیک دیا۔

شاہ کمرے میں اکیلا تھا۔

''ایسے کب تک بھاگتی رہو گی عروبہ۔ محبت کے اس کھیل میں درد ہے بغیر جیت کہاں۔ تم کو آدھا راستہ خوب پاٹنا ہوگا۔ مجھے وہ اعتماد دینا ہوگا وہ بھروسا دینا ہوگا جس کا میں حقدار ہوں اگر آج میں تم کو اپنی حقیقت جان لینے کی آگہی دے دوں گا تو تم تمام زندگی میرے احسان تلے دب کر گزار دو گی۔ نہیں عروبہ مجھے بد دلی نہیں چاہیے۔ شیدے سے، مجھ سے اور حالات سے ڈری ہوئی عروبہ نہیں چاہیے۔ میرے پیار میں اتنی طاقت ہے جو تم کو یہ حوصلہ عطا کرے۔ تم ان ہی پتھروں پر چل کر مجھ تک آؤ گی۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔'' وہ خیالوں میں اس سے مخاطب تھا۔

☆☆

صدیوں پرانی ہے میری کہانی۔ ایک بے وقوف لڑکی جو کسی کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہی ہے۔ یہ سب جانتی ہوں پڑھی لکھی ہوں پھر بھی کچھ نہیں کر پاتی۔ پہلے چاچی کی مار کا خوف اور اب شاہ کی نظروں سے گر جانے کا خوف اس کو جکڑے ہوئے تھا۔ کیسے کر دیتی اپنا گھناؤنا وجود شاہ کے سامنے۔

''نہیں نہیں چھپے دینا ہی بہتر ہے۔ کم از کم زندگی شاہ کے سنگ تو گزر رہی تھی۔

''باجی جی! بڑے صاب بلا رہے ہیں۔''

مائیکرو ویو میں عاشی کے لیے دودھ گرم کرتی عروبہ ماسی کی آواز پر چونک کر سوچوں سے نکل آئی۔

''بولو عاشی کا دودھ گرم کر رہی ہوں۔''

''آپ کی چاچی آئی ہیں جی۔'' ماسی اندر آ گئی تھی۔ عروبہ کا سانس سینے میں اٹک گیا۔

پچھلے چار ماہ سے وہ باقاعدگی سے ایک بڑی رقم کر

اور عاشی کے خرچ کے بہانے حیدر شاہ سے لے کر رکھ لیتی تھی۔ چاچی خود آ کر لے جاتی تھی۔ ابھی دو دن پہلے تو اس نے پیسے دیے تھے یہ آج پھر کیوں آ گئی تھی۔ وہ پریشان ہو گئی۔

''کہاں بٹھایا ہے۔'' اس نے دودھ جلدی سے فیڈر میں انڈیل کر ماسی کو پکڑا دیا۔

''بڑے صاب کے ساتھ بیٹھی ہیں۔'' ماسی بوتل لے کر چلی گئی۔

عروبہ جلدی سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ اک خوف کی تلوار ہر وقت اس کے سر پر لٹکی رہتی تھی۔ جانے کب کیا کہہ دے وہ۔ چاچی کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔ وہ جلدی سے کمرے میں داخل ہوئی۔

''بھائی صاحب! آپ نے تو ہماری بچی ہم سے جدا ہی کر دی۔ جب سے بیاہ کر آئی ہے یہاں کی ہی ہو کر رہ گئی ہے۔ کبھی جو رہنے آئی ہو۔ یہاں تو ہر وقت کاموں میں جتی رہتی ہے۔ کبھی بچی کے تو کبھی گھر کے۔ کتنی کمزور ہو گئی ہے میری بچی۔'' اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی چاچی نے اٹھ کر اسے ساتھ لپٹا لیا۔ لہجہ اتنا جتانے والا تھا کہ بابا شرمندہ سے ہو گئے۔

''نہیں بہن یہ ہماری بہو نہیں بیٹی ہے۔ جب چاہے جتنے دن چاہے رہ آئے۔ ہماری طرف سے تو کوئی پابندی نہیں۔'' وہ نگاہیں جھکا کر بولے۔ عروبہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ چاچی کو دھکا دے کر پرے کر دے۔ اس نے جلدی سے اپنا آپ چھڑا لیا۔ بابا جان کسی کے آگے شرمندہ ہوں وہ بھی چاچی کے یہ عروبہ کو گوارہ نہ تھا۔

''میں خود ہی نہیں نکل پائی۔ یہاں مجھ پر کوئی روک ٹوک تو نہیں۔'' وہ بولی۔ چاچی کو تو آگ ہی لگ گئی۔

''ہاں ہاں اب تو کیوں آئے گی۔'' اس نے دل میں سوچا پھر مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''آج تو میں اپنی بچی کو لے کر ہی جاؤں گی۔''

''آج تو مشکل ہوگا۔ ابھی عاشی کا بخار مکمل طور پر

محبت

۔ محبت خود اپنی گہرائیوں سے اس وقت تک واقف نہیں ہوتی جب تک کہ جدائی کا وقت نہ آ پہنچے۔

۔ محبت کچھ نہیں دیتی محبت کے سوا، اور نہ ہی کچھ لیتی ہے، محبت کے سوا۔

۔ جب تم خدا سے محبت کرو تو یہ نہ کہو کہ وہ میرے دل میں ہے بلکہ یہ کہو کہ میں اس کے دل میں ہوں۔

۔ اگر تم کسی سے محبت کرتے ہو تو اسے آزاد کر دو۔ اگر وہ نہ لوٹے تو سمجھو وہ کبھی تمہارا ہوا ہی نہیں اور اگر وہ لوٹ آئے تو اس کی پرستش کرو۔

(خلیل جبران)

۔ دوستوں کو محبت کا قرض دیتے رہو مگر واپسی کی طلب مت رکھو۔ (ارسطو)

(شازیہ ریاض۔ گھارو)

ٹھیک نہیں ہوا۔'' وہ بے ساختہ بولی۔ کب وہ جانا چاہتی تھی اس جہنم میں۔

''اچھا چل ٹھیک ہے۔ تیرے چند ضروری کاغذات پڑے تھے میرے پاس۔ شیدے کے ہاتھ بھیج دیتی ہوں۔'' چاچی زہریلی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ عروبہ پیلی پڑ گئی۔ اچھی طرح جانتی تھی وہ ان کاغذات کے بارے میں۔ وہ طلاق نامہ ہی تو سب سے بڑا ہتھیار تھا اس خبیث عورت کا۔

''نہیں چاچی میں ہی چلتی ہوں۔'' وہ تڑپ گئی۔

''بابا؟'' اس نے اجازت چاہی۔

''ہاں ہاں بیٹی ضرور جاؤ۔'' اور وہ چاچی کے ہمراہ چلی آئی۔

''تو کمرے میں چل ذرا میں ابھی آتی ہوں۔ بڑی نواب زادی بن گئی ہے نامحوست ماری۔ دماغ ابھی ٹھکانے کر دیتی ہوں۔'' چاچی اسے اس کے پرانے کمرے میں دھکیل کر باہر نکل گئی۔

وہ لڑکھڑا کر کمرے کی دیوار سے لگ گئی۔ وہ ہی سیلن زدہ کمرہ۔ وہ پیلی پیلی ایک بلب کی لائٹ میں اکھڑتے در و دیوار جو اتنے بیتے برس اس پر ہونے والے ہر ظلم کے گواہ تھے۔ تمام گھر تبدیل ہو چکا تھا۔ ماسوائے اس کمرے کے۔ وہ آج بھی اپنی مالکن کی طرح بے بس اور مجبور نظر آرہا تھا۔ صدیوں پر محیط حزن بھرے ماہ و سال آج بھی اپنا اندھیرا اس کمرے پر پھیلائے ہوئے تھے۔

''آہا میری منگیتر صاحبہ آئی ہوئی ہیں۔'' اپنے بہت قریب شیدے کی آواز سن کر وہ چونک گئی۔

''کیا فضول باتیں کرتے ہیں رشید بھائی۔ اب میں شاہ کی بیوی ہوں۔'' وہ ناگواری سے منہ پھیر کر بولی۔

''واہ...... واہ...... کیا خوب صورت ادائیں سیکھ گئی ہے میری رانی۔'' شیدے نے عامیانہ گری ہوئی بات کر کے اس کا ہاتھ تھام کر اسے قریب کرلیا۔ عروبہ کو کرنٹ سا لگ گیا۔ ایک زوردار جھٹکے سے اس نے اپنا آپ اس کی گرفت سے چھڑا لیا۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔

''خبردار جو آئندہ مجھے چھوا۔'' وہ اپنا خوف چھپا کر سرد لہجے میں بولی۔

''صدقے جاؤں ہائے ظالم۔ یہ شادی تو تیری چند دنوں کی بات ہے اب۔ اصل ساتھی تو تیرا میں ہی ہوں۔ یہ مت بھول۔'' اس نے کرخت لہجے میں کہہ کر اس کی چوٹی پکڑلی۔

''اتنی جلدی بھول گئی میری مار کو۔'' درد سے عروبہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''چھوڑ شیدے۔ ابھی نہیں۔ اتنا بے صبرا نہ بن۔ ابھی بہت مال ہتھیانا ہے ہمیں۔ اپنا مال خراب کرے گا تو دولت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ چل شاباش جا یہاں سے۔ اس کے کس بل میں خود نکال دوں گی۔'' چاچی نے چمکار کر شیدے کو سمجھایا تو اس نے ایک زوردار جھٹکا دے کر اس کی چوٹی چھوڑ دی۔ عروبہ کی جان میں جان آئی۔ شیدا بکتا جھکتا کمرے سے نکل گیا۔

''مجھے دو لاکھ چاہیے ہیں۔'' چاچی اسے پلنگ پر دھکیل کر بولی۔

''اتنی بڑی رقم۔ مگر ابھی تو دیے تھے۔'' وہ کانپتی آواز میں بولی۔ اسے چکر سا آگیا تھا۔ کیسے مانگے گی وہ اتنے پیسے۔

''تو کیا اب تجھے حساب کتاب بھی دینا پڑے گا؟ کمبخت اپنی اوقات نہ بھول۔ ایک طلاق یافتہ عورت ہے تو۔ تیرے رانجھے کو پتا چل گیا تو سارا عشق ہوا ہو جائے گا۔ چوٹی سے پکڑ کر نکال باہر کرے گا وہ۔'' یہ اتنا بدصورت تصور تھا کہ عروبہ ہولا گئی۔

''مگر چاچی......'' وہ ہکلا گئی۔ ساری بہادری ہوا ہو چکی تھی۔

''اگر مگر کچھ نہیں۔ مجھے ایک ہفتے کے اندر اندر رقم مل جانی چاہیے ہے ورنہ......'' چاچی جا چکی تھی۔ اسے پاتال کی عمیق گہرائیوں میں دھکیل کر۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆☆

''سنیے۔'' عروبہ کی آواز پر دفتر کے لیے تیار ہوتے شاہ نے مڑ کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''وہ...... مجھے......'' عروبہ پھر چپ ہو گئی۔ شاہ اب عادی ہو چکا تھا۔ جب بھی عروبہ کو پیسوں کی ضرورت ہوتی تھی وہ یوں ہی نروس ہو جاتی تھی۔

''کہو۔'' وہ بستر کے کنارے پر بیٹھ کر جوتے پہننے لگا۔

''مجھے کچھ پیسے چاہیے تھے۔'' شاہ کے تسمے باندھتے ہاتھ چند لمحے کو رک گئے۔ وہ ہنوز جھکا ہوا تھا۔

''کتنے چاہیے ہیں۔'' اس نے سہولت سے پوچھا۔

''دو...... دو لاکھ۔'' وہ دھیمے سے بڑبڑائی۔

''دو لاکھ؟'' شاہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

عروبہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ شاہ نے اسے گہری سنجیدہ نظروں سے دیکھا۔ عروبہ کی پیشانی پسینے سے تر ہو گئی تھی۔ شاہ کی نظروں سے گھبرا کر اس نے نظریں جھکا لیں۔ وہ اس قابل ہی کب تھی کہ اس سے نگاہیں ملا سکتی۔

ادھر اب گمبھیر خاموشی تھی۔ اس نے ایک چور نگاہ شاہ پر ڈالی اور حیرت میں ڈوب گئی۔ وہ خاموشی سے ٹیبل کے پاس کھڑا چیک لکھ رہا تھا۔ سپاٹ چہرہ ہر جذبے سے عاری تھا۔ عروبہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ زمین پھٹے تو وہ اس میں سما جائے۔ حیران تھی وہ شاہ کے حوصلے اور اندھے اعتماد پر۔

چیک ہاتھ میں لیے وہ عروبہ کی طرف بڑھ آیا۔ اس کی نظریں عروبہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ وہ جو اس کی سب کچھ ہو کر بھی کچھ نہ تھی۔

یہ کن نگاہوں سے دیکھ رہا تھا وہ آج۔ اس کی آنکھوں میں عروبہ کو اپنا آپ ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ نظریں قالین میں گڑی ہوئی تھیں۔ کمرے میں گہری خاموشی چیخ رہی تھی۔

''عروبہ۔'' شاہ کی آواز نے کمرے میں ارتعاش سا پیدا کر دیا۔

''جی۔'' وہ بمشکل نظریں اس کی طرف اٹھا سکی۔ شاہ چیک اس کی طرف بڑھائے کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر چیک اپنی مٹھی میں جکڑ لیا۔ اس کے ہاتھوں کی لرزش شاہ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ تھی۔

''میاں اور بیوی کے درمیان پیار اور محبت کے علاوہ بھی ایک بہت ضروری رشتہ ہوتا ہے عروبہ اور وہ ہے اعتماد اور بھروسے کا۔ کبھی آزما کر دیکھنا۔'' وہ جا چکا تھا۔ عروبہ بیڈ پر ڈھے سی گئی۔

''کیا کروں میں...... میرے مولا مجھے راستہ دکھا۔'' اس نے دکھ سے آنکھیں موند لیں۔

پچھلے چند ماہ کی زندگی فلم کی مانند اس کی آنکھوں کے آگے چل رہی تھی۔ اپنی خود غرضی اور بزدلی کی کہانی وہ صاف دیکھ رہی تھی۔

اس خوب صورت زندگی کی لالچ میں وہ اپنے پیاروں کو ہی دھوکا دینے چلی تھی جن کے مرہون منت یہ زندگی کے حسین پل پائے تھے اس نے۔

کس کس کو دھوکا دے رہی تھی وہ؟

المیہ!

جن سے باندھ کر خود کو
ہر لمحہ اذیت دوں
مجھے ایسی زنجیریں نہیں ملتیں
(فوزیہ اکبر شاہ۔ راولپنڈی)

اس شفیق باپ کو۔
اس معصوم ننھی سی جان کو۔
محبت کرنے والے شاہ کو۔
یا پھر اپنے آپ کو؟

چاچی کو ہر چیز کا ہر ظلم کا الزام دے کر خود مبرا ہو جانا چاہتی تھی بڑے دھڑلے سے۔ وہ جو اس گھرانے کے ہر فرد کی محبت میں پور پور ڈوب جانے کی دعویدار تھی کبھی اپنا احتساب بھی کیا تھا اس نے؟

اس جرم میں چاچی کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی اتنی ہی شریک تھی۔

''کیا سوچ کر میں بلیک میل ہوتی ہوں۔ کیا جواز ہے اتنا گھناؤنے جرم میں شریک رہنے کا میرے پاس۔ کیوں کرتی رہی ہوں میں یہ سب؟ کیا اس سے پہلے میں نے چاچی کی مار نہیں کھائی؟ کیا اس سے پہلے میری پاکدامنی کا لبادہ چاچی نے تار تار نہیں کیا؟ کچھ بھی تو نیا نہیں تھا سوائے میرے دل کے۔ اس میں پیدا ہونے والے ان محبت کے جذبات کے۔ میں خود غرض ہو گئی ہوں خود غرض۔''

اس کے ضمیر نے آج اس کو اپنی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا ہوا تھا۔ آج اس کا احتساب ہو رہا تھا اور پھر فیصلہ سنا دیا گیا۔

''شاہ! مجھے عروبہ کچھ پریشان سی دکھائی دیتی ہے۔''

رات کے یہ چند لمحے شاہ بابا جان کے ساتھ ضرور گزارتا تھا۔ آج تو وہ کافی دیر سے ان کے ساتھ بیٹھا تھا۔

''اچھا میں نے تو محسوس نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے تھک گئی ہو۔ عاشی بھی تو اب اس کے علاوہ اور کسی کے پاس جاتی

ہی نہیں۔" شاہ نہیں چاہتا تھا کہ جو بات وہ کافی عرصے سے محسوس کر رہا تھا وہ وسوسہ بن کر بابا کے دل میں جاگے۔

"ہاں شاید۔ اس کا دھیان رکھا کرو بیٹا۔ مجھے یقین ہے اس نے بہت دکھی زندگی گزاری ہے۔ خوشیوں پر اس کا حق ہے شاہ۔ وہ بہت اچھی بچی ہے۔" بابا آنکھیں موند کر لیٹ گئے۔ آنکھوں کے سامنے اپنی عاشی کی ہنستی مسکراتی شبیہہ لہرا گئی۔ کتنی یاد آتی تھی وہ۔ دو آنسو ان کے آنکھوں کے کناروں سے نکل کر بہہ گئے۔ شاہ نے ان کو چادر اوڑھا کر ماتھے پر بوسہ دیا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ آیا۔

آج وہ اپنے اور عروبہ کے درمیان حائل ہر شک و شبے، بے یقینی اور بداعتمادی کی دیوار کو گرا دینا چاہتا تھا۔

عاشی کو پہلو میں لٹائے وہ جانے کن گمبھیر سوچوں میں گم تھی۔ کمرے میں صرف ایک ٹیبل لیمپ کی روشنی ماحول کو خواب ناک سا بنا رہی تھی۔ شاہ چند لمحے دروازے کے پاس کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اس کی آہٹ بھی عروبہ کو اس کے خیالات سے نکال نہ پائی تھی۔

"کیسے کروں بات شروع۔ یہ جان کر کہ میں اس کی تمام حقیقت سے واقف ہوں کہیں عروبہ شرمندگی نہ محسوس کرے۔ آخر وہ خود اس پر اعتماد کیوں نہیں کرتی۔ کیا میں نے اپنی محبت ثابت نہیں کی؟" وہ کچھ جھنجلا سا گیا تھا۔

"کیا وہ اتنے عرصے بعد بھی جان نہیں پائی کہ مجھے اس کے ماضی سے کوئی سروکار نہیں۔ مجھے اس کے خاندان، اس کے طلاق یافتہ ہونے کی کوئی پرواہ نہیں۔ نکاح ہی تو ٹوٹا تھا نا اور اس میں بھی عروبہ بے چاری کا کیا قصور تھا۔ کتنا چاہتا ہوں میں اس کو وہ کیوں نہیں سمجھتی۔" شاہ دھیرے سے اپنی بیڈ سائیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔

دونوں ندی کے دو کناروں کی مانند لگ رہے تھے۔ ساتھ ساتھ مگر دور دور۔

"وہ ہنوز خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔

عاشی نیند میں کسمسائی تو عروبہ نے بے دھیانی سے اسے مزید اپنے قریب کر لیا۔ ایک ہاتھ ہولے ہولے اسے تھپک رہا تھا۔ شاہ کو اس کی اس بے اختیار حرکت پر ٹوٹ کر پیار آ گیا۔

"عروبہ۔" وہ اٹھ کر اس کی سائیڈ پر آ گیا۔

"آپ..... آپ کب آئے؟" وہ چونک کر سیدھی ہو گئی۔ اس کا پکارنا ہی عروبہ کے جھلستے صحرا پر ٹھنڈی پھوار کا پہلا قطرہ بن کر گرا تھا مگر وہ اس پھوار کی ان نرم الفاظ کی ان خوب صورت لمحات کی حق دار نہ تھی۔

"میں تو کب سے راہوں میں کھڑا ہوں۔ جانے کب تک یہ انتظار جاری رہے گا۔ کب آؤ گی تم ان بانہوں کی پناہ میں۔" وہ مخمور لہجے میں اس کے کندھے تھام کر بولا۔

عروبہ ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ پرے کر کے کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ اس نے بے دردی سے لبوں کو دانتوں تلے کچلا۔ دل کی بے چینی چہرے سے ہویدا تھی۔

"یہ گریز کیوں عروبہ۔" وہ دکھی ہو گیا۔

"کیوں مجھ سے دور ہوتی جا رہی ہو۔ یہ فاصلے کم ہونے کے بجائے بڑھتے کیوں جا رہے ہیں؟ کیا اب بھی میری محبت کا اعتبار نہیں؟ کیسے یقین دلاؤں کہ تم ہی میری زیست کا حاصل ہو۔ میری روح، زندگی ہو میری کل کائنات....."

"بس کریں خدارا بس کر دیں۔" اس نے تڑپ کر شاہ کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

"میرے لیے یہ سب نہ کہیں پلیز۔" وہ رو دینے والی تھی۔

"تمہارے لیے تو میری جان بھی حاضر ہے عروبہ۔" شاہ نے اس کا نازک سا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

"میں اس قابل نہیں ہوں شاہ میں اس قابل نہیں۔" وہ اس کے قدموں میں گر پڑی۔ سسکیوں نے اس کو اپنی زد میں لیا ہوا تھا۔ شاہ نے گھبرا کر قدم پیچھے ہٹا لیے اور اس کے پاس ہی قالین پر بیٹھ گیا۔ وہ بری طرح بکھر رہی تھی۔ آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے گالوں پر لڑھک رہے تھے۔

"عروبہ پلیز۔" شاہ نے اسے سنبھالنا چاہا۔

"مت چھوئیں میرے مکروہ بدن کو۔" وہ جھٹکے سے الگ ہو گئی۔ "کتنے نادان ہیں آپ شاہ۔ آپ جیسا ہوشیار، عقل مند، چالاک بزنس مین مجھ جیسی عام سی بازاری عورت کے ہاتھوں دھوکا کھا گیا۔" وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔

"کیا بکواس کر رہی ہو۔" شاہ جھٹکے سے سیدھا ہوا۔

"یہی میری زندگی کا سب سے مکروہ سچ ہے حیدر شاہ۔ ضروری نہیں کہ بازار حسن کی لڑکیاں ہی بازاری ہوں۔ ہم جیسی بے وقوف اور خود غرض محبت کی متلاشی لڑکیاں بھی اس کام کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ میں وہ بدنما عورت ہوں شاہ۔ جس کا ظاہری حسن آپ جیسے امیروں کو پھانسنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آپ کو دھوکا دیا گیا ہے۔ لوٹا گیا ہے اور میں اس گھناؤنے کھیل میں برابر کی شریک ہوں۔ میں ایک طلاق یافتہ عورت ہوں شاہ۔" وہ چہرے پر ہاتھ رکھ کر سسک دی۔

"آئندہ اپنے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کیے تو تمہاری یہ خوب صورت صراحی دار گردن میں اپنے ہاتھوں سے دبا دوں گا۔" شاہ نے گویا تمام روداد سنی ان سنی کر دی تھی۔

"دبا دیں۔ جان سے مار ڈالیں مجھے۔ میں اب زندہ بھی نہیں رہنا چاہتی۔ آپ کے ہاتھوں جان نکلے تو میرے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔" وہ روئے جا رہی تھی۔

"اور تمہارے بغیر میں کیسے جی پاؤں گا۔ اب بھی خود غرض ہو رہی ہو۔ صرف اپنا سوچ رہی ہو۔ ہم سب بے چارے جو بے موت مارے جائیں گے وہ....." وہ اس کے بے حد قریب سرگوشی میں بولا۔

"آپ نے سنا بھی ہے جو میں اتنی دیر سے بتانا چاہ رہی ہوں۔" اس نے آنسوؤں کی اوٹ سے حیرت سے اس شخص کو دیکھا جو اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو گیا تھا۔ وہ آج بھی اسے سمجھنے سے قاصر تھی۔

"تم اک کنول کی مانند ہو عروبہ جو کیچڑ میں کھل کر اپنی پاکیزگی اور معصومیت برقرار رکھتے ہیں۔ شیدے اور چاچی کے جرائم کی تمام لسٹ میرے پاس ہے۔ غنڈہ گردی، بلیک میلنگ اور ناجائز کاموں کے جرم میں وہ میرے ایک اشارے پر سلاخوں کے پیچھے ہوں گے۔ تم سے کیسے کہتا اگرچہ گھر کے بڑھتے خرچے اور تمہاری باتوں نے مجھے اس چھان بین پر مجبور کیا تھا مگر تم سے یہ راز کیسے شیئر کرتا۔ یہ تو تمہارا راز تھا۔ تم کو مجھ پر اعتماد کرنا سیکھنا تھا۔ میری محبت پر اعتبار کرنا تھا۔ گلہ تو یہی تھا کہ تم نے مجھ پر اعتماد نہیں کیا تھا۔" وہ دھیرے دھیرے اس کے ہاتھ سہلا رہا تھا۔

"مگر آپ مجھے پیسے کیوں دیتے رہے۔"

"اس لیے کہ جب تن بھی تمہارا، من بھی تمہارا تو دھن کیا چیز تھی۔" وہ پیار سے بولا۔

عروبہ کو ڈھیروں شرم آ گئی۔

"میں نے وہ چیک چاچی کو نہیں دیا۔" وہ مسکرا کر بولی۔ دل سے ایک بوجھ سا ہٹ گیا تھا۔ بہاروں کے موسم نے دل کے دریچے سے اندر قدم رکھ دیا تھا۔

"ارے وہ کیوں؟"

"کیوں دیتی میرے شوہر کی حق حلال کی کمائی تھی۔" عروبہ شوخ ہوئی۔

"آج کی رات تم اور میں اپنا اعتبار قائم کریں گے۔ اب ہمارے درمیان تیسرا اور کوئی نہ آئے گا۔ وعدہ کرو۔" اس نے عروبہ کو بانہوں کے گھیرے میں لے لیا۔

"اوں..... جنوں..... ہوں....." بیڈ پر لیٹی عاشی نے شاید عروبہ کی غیر موجودگی محسوس کر لی تھی جو وہ اچانک رو پڑی۔ دونوں ایک جھٹکے سے الگ ہو گئے۔ "یار....." شاہ چڑ گیا تو عروبہ کھلکھلا کر ہنس دی۔